اسلامی بینکاری
اور
سودی بینکاری میں فرق

کے حوالے سے بعض سوالات کے جوابات

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

ناشر ماڈرن اسلامک فقہ اکیڈمی کراچی

March 2019

اہلسنت وجماعت کا قرآن وسنت کا عظیم ادارہ

مرکز العلوم الاسلامیہ اکیڈمی

جہاں اسلامی اور عصری علوم کا عظیم امتزاج

مختصر تعارف

طلبہ:

شعبہ حفظ: 145 شعبہ ناظرہ: 240

شعبہ درس نظامی: 105 شعبہ تجوید: 10

اور انہیں شعبہ جات میں 400 سے زائد طلبا اسکول کی تعلیم انٹر تک حاصل کر رہے ہیں نیز کم و بیش 100 طلباء مدرسے میں رہائش پذیر ہیں جن کے طعام و قیام اور میڈیکل کا مکمل خرچ مدرسہ برداشت کرتا ہے۔

مدرسہ کا اسٹاف

شعبہ حفظ و ناظرہ 14 اساتذہ شعبہ درس نظامی و تجوید 10 اساتذہ

شعبہ عصری علوم یعنی اسکول 11 اساتذہ باورچی 2 خادم 4 چوکیدار 2

کل طلبہ کم و بیش پانچ سو اور پورہ اسٹاف 43 افراد پر مشتمل ہے۔

مرکز العلوم الاسلامیہ اکیڈمی میٹھادر کراچی پاکستان

DONATION

HABIB BANK LTD. BARNESS STREET BRANCH
ACC TITLE: MARKAZ UL ALOOM ISLAMIA (TRUST)
ACC NO: 00500025657003 - BRANCH CODE :0050

www.facebook.com/markazuloloom

https://www.waseemziyai.com https://www.youtube.com/waseemziyai

اسلامی بینکاری
اور
سودی بینکاری میں فرق

کے حوالے سے بعض سوالات کے جوابات

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

ناشر

ماڈرن اسلامک فقہ اکیڈمی کراچی

جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں:

نام کتاب	:	اسلامی بینکاری
مؤلف ومرتب	:	پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز (کراچی یونیورسٹی) (0333-2376985)
کمپوزنگ وطباعت	:	حافظ عابد پرنٹرز (0300-3340980)
سن طباعت	:	بارِ اوّل جولائی ۲۰۰۸ء
سن طباعت	:	بارِ سوم ۲۰۱۳ء
ناشر	:	ماڈرن اسلامک فقہ اکیڈمی، گلشن اقبال، پوسٹ بکس ۱۷۷۷۷، کراچی
تعداد	:	۱۱۰۰
صفحات	:	۵۲
قیمت	:	۶۰/- روپے

ملنے کے پتے:

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار، کراچی

فریدی بک سینٹر، اردو بازار، کراچی

مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی

مکتبہ غوثیہ، سبزی منڈی، نزد مرکز فیضانِ مدینہ، کراچی

مکتبہ المدینہ اردو بازار، کراچی

مکتبہ کاروانِ قمر دارالعلوم قمر الاسلام سلیمانیہ، کراچی

جمیل برادرز، M-13، کتاب مارکیٹ، اردو بازار، کراچی

مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

مکتبہ ضیاء القرآن، گنج بخش روڈ، لاہور

گنبد خضریٰ پبلی کیشنز داتا دربار، لاہور

حجاز پبلی کیشنز، داتا دربار، لاہور۔

علامہ غلام نصیر الدین نصیر۔

جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو، لاہور۔

مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ لوہاری گیٹ، لاہور

مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار، راولپنڈی

جامعہ قادریہ رضویہ، سرگودھا روڈ، فیصل آباد

مکتبہ مجددیہ سلطانیہ، ملک پلازہ دینہ، ضلع جہلم

دارالعلوم حنفیہ بصیر پور، ضلع اوکاڑا۔

www.waseemziyai.com

اسلامی بینکاری کو سمجھنے کیلئے چند سوالات اور ان کے جوابات

بعض حلقوں کی جانب سے اسلامی بینکاری کے حوالہ سے بعض تحفظات کا اظہار کیا گیا ہے۔ عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کان ادھر سے پکڑیں یا ادھر سے بات ایک ہی ہے اور سودی بینکوں اور اسلامی بینکوں کے نظام میں کوئی فرق نہیں بلکہ صرف نام کا فرق ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ غیر اسلامی نظام ہائے حکومت اور سودی مرکزی نظام معیشت کی موجودگی میں اسلامی بینکاری کے حوالہ سے تحفظات کا ہونا فطری بات ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ سودی بینکاری اور اسلامی بینکاری نظام میں بہت بنیادی فرق ہے۔ اول الذکر سرمایہ فراہم کرتا ہے اور اس پر سود لیتا ہے جبکہ ثانی الذکر (اسلامی بینکاری) سرمایہ فراہم نہیں کرتا بلکہ کاروبار میں خود شریک ہو کر سرمایہ کاری کرتا ہے اور مال فراہم کر کے منافع کماتا ہے۔

دنیا بھر کے نمائندہ مسلم علماء جو فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ، مجمع الفقہ الاسلامی اور دیگر اسلامی فورمز پر سال ہا سال سے اسلامی بینکاری پر فقہی بحث و مباحثہ کرتے رہے ہیں اور جنہوں نے کافی غور و تدبر کے بعد اسلامی بینکاری کے خط و خال مرتب کئے ہیں ان کی فقہی آراء و فتاویٰ کو اجتماعی اجتہاد کا درجہ حاصل ہے اور ان کی برس ہا برس کی محنتوں کے ثمرات آنا شروع ہو گئے ہیں۔ اب کوئی بھی مسلمان کسی بھی اسلامی بینک کے ذریعہ مشارکہ، مضاربہ، مرابحہ، استصناع، اجارہ اور مساومہ کے شرعی طریقوں سے سرمایہ کاری اور کاروبار کر سکتا ہے۔ اسلامی بینکاری کرنے والے بینک اپنے اسٹاف کو اسلامی بینکاری کی خصوصی تربیت دے دلوا رہے ہیں، اور ملکی و بین الاقوامی سیمیناروں کے ذریعہ تاجر اور مذہبی طبقہ کے تحفظات کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔

www.waseemziyai.com

ماڈرن اسلامک فقہ اکیڈمی کراچی کو مجلّہ فقہ اسلامی کے توسط سے اسلامی بینکاری کے بارے میں مختلف اوقات میں مختلف استفسارات موصول ہوتے رہے ہیں، جن کے جوابات بائی ڈاک سائلین کو ارسال کیے جاتے رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ گزارش بھی کی جاتی رہی ہے کہ مزید اطمینان کیلئے مقامی طور پر مفتیانِ کرام سے رہنمائی حاصل کی جائے اور اگر کسی سوال کے جواب میں کسی مفتی صاحب یا عالم دین کا کوئی اشکال ہو تو سائل مجلّہ فقہ اسلامی کو مطلع فرمائے تاکہ تصحیح کی جاسکے۔ مگر ان جوابات پر کسی طرف سے کوئی اشکال سامنے نہیں آیا۔ چنانچہ افادہ عامہ کی خاطر انہیں کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اہل علم ان استفسارات کے حوالہ سے کسی مسئلہ میں کوئی متبادل نقطہ نظر رکھتے ہوں تو تصحیح کی غرض سے بذریعہ خط و کتابت ہماری رہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز
ایڈیٹر ماہنامہ فقہ اسلامی
پوسٹ بکس ۱۷۷۷۷،
گلشنِ اقبال، کراچی ۔ ۷۵۳۰۰

۱۰ جنوری ۲۰۰۷ء

www.waseemziyai.com

ربوٰ کیا ہے؟

شخصی اور تجارتی قرضوں پر ربوٰ (سود) کی وضاحت

س:۱ بعض تاجر حضرات کا کہنا ہے اور یہاں لاہور میں ایک درس قرآن میں ایک ماڈرن عالم نے کہا کہ قرآن نے جس سود (ربوٰ) کو حرام قرار دیا ہے وہ شخصی قرضوں پر سود ہے۔ جہاں تک تجارتی قرضوں کا تعلق ہے تو اس پر سودی لین دین کی ممانعت قرآن سے ثابت نہیں۔ براہِ کرم اس کی وضاحت فرمائیں کہ یہ بات کس حد تک درست ہے۔

جواب: بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وبہ نستعین۔ آپ کے سوال کا تعلق ربوٰ سے ہے۔ اور ربوٰ کی تعریف جو قرآن کریم نے بیان کی ہے اس سے ہے اور اس کی جو تعبیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور جس پر گزشتہ چودہ صدیوں سے جمہور علماء کا اتفاق ہے اس سے ہے تو سب سے پہلے تو ربوٰ کا حکم اور اس کی شرعی تعرف ملاحظہ فرمائیں:

اللہ جل مجدہ وعلا نے ربوٰ کے بارے میں فرمایا:

> الذین یاکلون الربٰو لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ط ذلك بانھم قالوا انما البیع مثل الربٰو ط واحل اللّٰہ البیع وحرم الربٰو فمن جاء ہ موعظة من ربہ فانتھی فلہ ما سلف ط وامرہ الی اللّٰہ ط ومن عاد فاولئك اصحاب النار ھم فیھا خالدون ○ یمحق اللّٰہ الربٰو ویربی الصدقات ط واللّٰہ لا یحب کل کفار اثیم ○

پھر فرمایا:

www.waseemziyai.com

یاایھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ وذروا ما بقی من الربٰوط ان کنتم مؤمنین o فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللّٰہ ورسولہط وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون o

ترجمہ آیات: وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں، قیامت کے روز ایسے کھڑے ہوں گے جیسے وہ شخص جسے آسیب نے چھو کر مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے (ہوگا) کہ انہوں نے یہ کہا کہ بیع (خرید وفروخت) بھی سود ہی کی طرح ہے۔ جبکہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ تو جسے اس کے رب کے ہاں سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے سود لے چکا اس کی باز پرس نہ ہوگی۔ اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جو اب ایسی حرکت کرے گا تو وہ دوزخی ہے۔ وہ اس میں مدتوں رہے گا۔ اللہ برباد کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات و خیرات کو اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور بڑے گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مومن ہو تو جو کچھ تمہارا سود لوگوں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر تیار ہو جاؤ اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کے لئے۔ اور اگر تم توبہ کرلو تو اپنا اصل زر واپس لے سکتے ہو۔ نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ کوئی تمہیں نقصان پہنچائے۔

یاایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربٰو ۔یعنی اے اہل ایمان سود نہ کھاؤ۔ پھر فرمایا: **واحل اللّٰہ البیع و حرم الربٰو**۔

اور اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

ذخیرہ حدیث شریف میں ربٰو کے بارے میں متعدد احادیث موجود ہیں:

عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال: لعن رسول اللّٰہ ﷺ اکل الربٰو و مؤکلہ و کاتبہ وشاھدیہ وقال (ھم سواء) رواہ مسلم۔

www.waseemziyai.com

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور سود لکھنے والے پر اور سود کے معاملہ کی گواہی دینے والے پر اور فرمایا وہ اس (گناہ) میں سب برابر ہیں۔

سود کے حرام ہونے کی احادیث، صحاح ستہ میں، مستدرک میں، صحیح مسلم میں، الدار قطنی میں، مسند بزار میں اور سنن بیہقی وغیرہ میں موجود ہیں۔ ایک حدیث جو سود کے سلسلہ کی اساسی حدیث ہے حسب ذیل ہے۔

قال رسول اللّٰه ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد، فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد۔ (متفق علیہ)

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، سونا سونے کے عوض چاندی چاندی کے عوض، گندم گندم کے عوض، جو، جو کے عوض، کھجور کھجور کے عوض، اور نمک نمک کے عوض برابر برابر، دست بدست، بیچو اور جب یہ اجناس مختلف ہوں تو جیسا چاہو بیچو جبکہ وہ دست بدست فروخت ہوں۔

شریعت اسلامیہ نے قرآن وسنت میں وارد تعریف ربٰو کے پیش نظر آسان لفظوں میں اسے اس طرح بیان کیا ہے:

الربٰو فی الشرع عبارة عن فضل مال لا يقابله عوض فی معاوضة مال بمال رواه۔ (حاشیہ ہدایہ)

یعنی ربٰو شریعت میں وہ مالِ فاضل ہے جس کا کوئی عوض نہ ہو۔ گویا ربٰو مال پر ایسی زیادتی ہے جو بغیر کسی معاوضہ کے حاصل کی جائے۔

ربٰو کی ایک تعریف یوں بھی بیان کی گئی ہے:

www.waseemziyai.com

زيادة احد البدلين المتجانسين من غير ان يقابل هذه الزيادة عوض۔

یعنی ناپنے تولنے والی ہم جنس اشیاء بلاعوض زیادہ لینا ربو (سود) ہے۔

قرآنِ کریم کے نزول سے پہلے بھی عرب معاشرہ میں قرض پر لیا جانے والا منافع ربو کہلاتا تھا۔ خواہ یہ قرض ذاتی ضرورت کیلئے ہو یا تجارتی مقصد کیلئے۔ (جواہر الفقہ، ج ۳، ص ۳۴)

علامہ ابن رشد نے لکھا ہے:

اتفق العلماء على ان الربو يوجد في شيئين في البيع وفيما تقرر في الذمة من بيع او سلف او غير ذٰلك رواه۔ (بداية المجتهد، ج ۷، ص ۱۰۶)

علامہ رازی فرماتے ہیں:

اما ربا النسيئة فهو الامر الذى كان مشهورا متعارفا فى الجاهلية، وذلك بانهم كانوا يدفعون المال على ان ياخذوا كل شهر قدرا معينا ويكون رأس المال باقيا ثم اذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال فان تعذر على الادا، زاد وفى الحق وفى الاجل۔ (التفسير الكبير، ج ۷، ص ۸۵)

زمانہ جاہلیت میں لوگ اس شرط پر قرض دیا کرتے کہ مقروض سے قرض کے عوض ہر ماہ یا ہر سال ایک معین رقم لیا کریں گے، اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہتی، مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا اگر مقروض اصل رقم نہ ادا کرسکتا تو قرض خواہ مدت بڑھا دیتا لیکن ساتھ ہی سود میں اضافہ کر دیتا تھا۔ زمانہ جاہلیت کے اس ادھار سود کو قرآنِ کریم نے حرام قرار دیا۔

علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:

والربا الذى كانت العرب تعرفه وتفعله انما كان قرض

www.waseemziyai.com

الدراهم والدنانير الی اجل بزیادة علی مقدار ما استقرض علی ما یتراضون به۔ (احکام القرآن، ج ۱، ص ۴۶۵)

ربٰو کی وہ قسم جس کے بارے میں آپ نے سوال کیا وہ تجارتی قرضوں پر سود کی ہے اس کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں:

واما ربٰو البیوع فھو علی نوعین۔ ربا النسیئة و ربٰو الفضل۔

اما ربٰو النسیئة فی البیوع فھو بیع ربوی بربوی نسیئة۔

وربٰو الفضل ھو بیع ربوی بمثله مع زیادة فی احد المثلین۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ، وھبہ الزحیلی، ج ۴، ص ۶۷۱)

ربٰو خواہ ذاتی قرض پر ہو یا تجارتی قرض پر بہرصورت حرام ہے۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

والربٰو بجمیع انواعه حرام بالاتفاق سوی ماروی من خلاف عن ابن عباس فی ربا الفضل وقد نقل عنه انه رجع عن قوله۔

(نیل الاوطار، للشوکانی، ج ۵، ص ۳۰۲)

آپ نے جو کچھ سنا کہ تجارتی قرضوں پر سود کو ربٰو نہیں کہا جا سکتا یا اس ربا کو سود نہیں کہا جا سکتا یا یہ کہ اس پر سود کی تعریف صادق نہیں آتی یا یہ کہ ایسے قرضوں پر سود کی ممانعت نہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ چند ترقی پسند قسم کے دانشور کہلانے والے اسلام دشمنوں کا پروپیگنڈہ ہے۔ جس کی بنیاد اس دعویٰ پر ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل عرب دنیا میں جس قسم کے قرضوں کا رواج تھا وہ ایسے ذاتی قرضے تھے جو محتاج لوگوں کی بنیادی ضروریات کے لئے دیئے جاتے تھے اور کاروباری معاملات کے لئے سودی قرضوں کے لین دین کا کوئی رواج اس معاشرے میں نہ تھا جس میں قرآن نازل ہوا۔ لہٰذا قرآن میں جس سود کی ممانعت ہے وہ ذاتی شخصی نوعیت کی قرضوں پر سود کی ہے۔ یہ دعویٰ دراصل ایک مفروضہ پر قائم ہے اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ مولنا محمد طاسین نے متبادل سودی نظام کے دعوے نامی اپنی ایک کتاب میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''بہت سی تاریخی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عرب معاشرے

www.waseemziyai.com

میں محتاج لوگوں کی بنیادی معاشی ضروریات یعنی غذا، لباس اور گھر کی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے سودی قرضے دینے کا اس قدر رواج نہ تھا جس قدر کاروباری مقاصد کے لئے قرضے لینے دینے کا رواج تھا، عرب تجارت پیشہ لوگ تھے قریش مکہ کے متعلق خود قرآنِ مجید میں ہے کہ مختلف موسموں میں ان کے تجارتی قافلے مختلف ملکوں میں جاتے اور خرید وفروخت کا کام دھندہ کرتے تھے اور اس میں تجارتی اور کاروباری مقاصد کے لئے سودی قرضے لینے دینے کا نیز مضاربت پر کام کرنے کرانے کا بھی رواج تھا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارتی مقاصد کیلیئے سودی قرضے دینے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خاص شہرت حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع ربٰو کی کلیتًا تحریم کے اعلان کے موقع پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے ربا کے متعلق فرمایا کہ میں سب سے پہلے اس کو اپنے پاؤں تلے روندتا اور ختم کرتا ہوں اور فرمایا تائب ہونے کے بعد اب سود خواروں کے لئے صرف اور صرف وہ رأس المال ہیں جو انھوں نے سودی قرض کے طور پر دیئے تھے، ان پر زائد وہ کچھ نہیں لے سکتے ظاہر ہے کہ اس طرح کے اسلوب بیان کا تعلق عمومًا ایسے لوگوں ہی سے ہوسکتا ہے جو قرض کا اصل مال لوٹانے اور ادا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں اور چونکہ ایسی قدرت عام طور پر ایسے قرضداروں کو حاصل ہوتی ہے جو تجارتی کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ سامانِ تجارت بیچ کر اس سے حاصل شدہ رقم سے قرض کی اصل رقم ادا کر سکتے ہیں، بلاشبہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو تجارت میں خسارہ اٹھانے کی وجہ سے اس قابل نہ ہوں کہ قرض کی اصل مبلغ وہ فوری طور پر ادا کرسکیں لہٰذا قرآنِ

www.waseemziyai.com

مجید میں فرمایا گیا ہے کہ جو مقروض تنگ دست ہو فوراً ادا نہ کر سکتا ہو اس
کو اس وقت تک مہلت دی جائے کہ وہ آسانی کے ساتھ ادا کر سکے
بلکہ بہتر یہ ہے کہ ان کے ذمے قرض کے مال کو اس کیلئے صدقہ کر دیا
جائے یعنی معاف کر دیا جائے۔"

قرآنِ مجید کی آیات ربا میں ربا کی جس تحریم کا واضح بیان ہے اس کا تعلق جس طرح نجی ضرورت کے صرفی قرضوں سے ہوسکتا ہے، اسی طرح تجارتی نوعیت کے کاروباری قرضوں سے بھی ہے اس کا ثبوت شان نزول کی اس روایت سے فراہم ہوتا ہے، جس کو بہت سے مفسرین کرام نے سورۃ البقرہ کی آیات ربا کی تفسیر میں نقل اور بیان کیا ہے اس روایت سے ثابت اور ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت تحریم ربا سے متعلق قرآنِ مجید کی آیات نازل ہوئیں اس وقت تجارت پیشہ بعض غنی و مال دار عرب قبائل کے مابین سودی قرض کا معاملہ موجود تھا، روایت کا مضمون کچھ اس طرح ہے، قریش مکہ کے ایک قبیلہ بنوالمغیرہ کے کچھ افراد نے طائف کے قبیلہ بنوثقیف کے بعض افراد سے سود پر قرض لے رکھا تھا اور یہ معاملہ ان کے درمیان زمانہ جاہلیت سے چلا آ رہا تھا جو ان کے اسلام لانے کے بعد بھی اس وقت تک قائم رہا جب ۹ ہجری میں تحریم ربا کا اسلامی قانون کامل طور پر نافذ ہوا جس پر عمل کے نتیجہ میں دوسرے مسلمانوں کی طرح انھوں نے بھی ربا کا معاملہ ختم کر دیا البتہ انہیں اس میں کچھ تردد اور اختلاف ہوا کہ اب تک ربا کے نام پر مقروض جو مال ادا کر چکے ہیں، قرض کے اصل مال سے منہا کر کے باقی مال واپس کیا جائے یا بغیر اس کے قرض کا اصل مال پورے کا پورا واپس کیا جائے۔ پھر ان کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ کے ارشاد کے مطابق جو قرآنی آیت پر مبنی تھا قرض کا اصل مال پورے کا پورا ادا کیا جائے تو انہوں نے ایسا ہی کیا، اس روایت کے حوالے سے اصل بات جو عرض کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ روایت میں مذکور دونوں قبیلے تجارت پیشہ اور غنی و مال دار تھے، لہٰذا ان کے درمیان سودی قرض کا یہ معاملہ صرف تجارتی اور کاروباری نوعیت کا ہی ہوسکتا ہے، بنیادی معاشی ضروریات کی خاطر سودی قرض کا معاملہ نہیں ہوسکتا جس کا تعلق محتاج و نادار افراد سے ہوا کرتا ہے، پھر جو لوگ عام عربوں اور خصوصاً قریشی اور حضرت عباس رضی

www.waseemziyai.com

اللہ عنہ کی سخاوت اور مہمان نوازی کی روایتوں کا علم رکھتے ہیں، وہ کبھی اس بات کو مان نہیں سکتے کہ عربوں کے اندر بنیادی حاجات کے محتاج افراد کو سودی قرض دینے کا عام رواج تھا، اور پھر قبائلی نظام میں کوئی قبیلہ اس ذلت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ اس کے نادار اور محتاج افراد دوسرے قبیلہ کے افراد سے بنیادی ضروریات کے لئے سود پر قرض لیں اور زندگی گزاریں، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش مکہ کے مال دار قبیلہ بنو المغیرہ کے کچھ افراد اپنے قبیلہ کے مال دار افراد کو چھوڑ کر طائف کے قبیلہ بنو ثقیف کے لوگوں سے نجی ضروریات کے لئے سود پر قرض لیں کیونکہ اس میں قبیلہ کی توہین ہے۔

غرض یہ کہ عرب معاشرے کے مخصوص حالات کے پیش نظر اور صدقات اور قرض حسن سے متعلق اسلامی تعلیمات جو تحریم ربا سے پہلے مسلمانوں میں رائج ہو چکی تھیں کے لحاظ سے یہ سمجھنا اور کہنا قرین عقل و قیاس اور صحیح لگتا ہے کہ جب قرآنِ مجید میں تحریم ربا کی آیات نازل ہوئیں اور جب سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر تحریم ربا کا اعلان فرمایا اس وقت وہ ربا خال خال اور شاذ و نادر ہی ہوگا، جس کا تعلق غیر تجارتی اور کاروباری نوعیت کے قرضوں سے ہوتا ہے۔ زیادہ تر اور عموماً اس کا تعلق تجارتی اور کاروباری نوعیت کے قرضوں سے تھا۔

پھر جبکہ یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ ماضی میں تمام متمدن اقوام کے اندر تجارتی نوعیت کے سودی قرضوں کا رواج تھا بلکہ ان کے ہاں ایسے سودی قرضوں سے متعلق باقاعدہ قوانین تک موجود تھے۔ یونانیوں، رومیوں، مصریوں اور ہندوستان وغیرہ کے قدیم لٹریچر سے پتہ چلتا ہے، آج دنیا کے جن سرمایہ دار ممالک میں بینکاری کا نظام ہے، اس کا تو تمام تر تعلق تجارتی اور کاروباری نوعیت کے سودی قرضوں سے ہے، تو پھر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ تجارتی مقاصد کے لئے سودی قرضوں کا عہد نبوی کے عرب معاشرے میں رواج موجود نہ تھا جبکہ وہ سب مصلحتیں اور ضرورتیں اس میں بھی موجود تھیں جو اس قسم کے سودی قرضوں کے رواج کا باعث بنتی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ مذکورہ بالا حضرات کا یہ مؤقف ہے کہ قرآنِ مجید میں جس ربا کو حرام بتلایا اور اس سے نہایت سختی کے ساتھ منع کیا گیا اس کا تعلق

www.waseemziyai.com

تجارتی نوعیت کے قرضوں سے نہیں، دلائل کے لحاظ سے نہایت کمزور اور باطل مؤقف ہے، خود قرآنِ حکیم سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

پھر جس طرح یہ مؤقف کہ جس عرب معاشرے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا اس میں تجارتی مقاصد سے تعلق رکھنے والے سودی قرضوں کا رواج نہ تھا، تاریخی حقائق کے لحاظ سے درست نہیں، اسی طرح قانونی اور فقہی طور پر بھی درست نہیں۔ کیونکہ یہ مؤقف تجارتی نوعیت کے قرضوں پر اس زیادتی کو حرام نہیں بلکہ حلال اور جائز قرار دیتا ہے، جو قرض دینے والا اپنے مقروض سے قرض کے اصل مال پر وصول کرتا ہے یہ کہتے ہوئے کہ مقروض اس مال کے ساتھ تجارت کر کے جو کماتا ہے، اس میں قرض دینے والے کا بھی ایک حصہ ہوتا ہے، جو اس کے مال سے پیدا ہوا اور جس کا وہ حقدار تھا، لہٰذا مقروض تاجر سے وہ جو زائد لیتا ہے، حلال و جائز ہونا چاہئے کیونکہ وہ اس میں کسی کی حق تلفی نہیں کرتا اور نہ ظلم کا مرتکب ہوتا ہے، چنانچہ اس مؤقف کے حامی حضرات موجودہ رائج الوقت بینکاری نظام کو اسلام کے خلاف نہیں سمجھتے اور نہ اس کو تبدیل کرنے میں کچھ دلچسپی رکھتے ہیں۔

مؤقف مذکور قانونی اور شرعی طور پر کیوں درست نہیں اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ یہ مؤقف معاشی حق اور معاشی عدل و ظلم کے جس تصور پر مبنی ہے، وہ معاشی حق اور معاشی عدل و ظلم کے اس تصور کے خلاف ہے، جو قرآن و حدیث میں ہے، اور جس کو اسلام نے اپنی معاشی تعلیمات اور اپنے حلال و حرام کے فلسفہ میں پوری طرح ملحوظ و مدنظر رکھا ہے۔ قرآن و حدیث میں معاشی حق کا جو تصور ہے اس کے مطابق کوئی شخص کسی معاشی شئے کا حقدار اور مالک دو وجہ سے قرار پاتا ہے، ایک وجہ ہے انسان کی دماغی جسمانی سعی و محنت جو اس نے کسی قدرتی شئے میں نئی افادیت پیدا کرنے کے لئے صرف کی ہو اور دوسری وجہ تبادلے کی صورت میں وہ حقیقی رضامندی ہے، جو ہر فریق کے لئے اس کی چیز کا صحیح بدل اور عوض موجود ہونے کی بناء پر وجود میں آتی ہے، تجارتی لین دین اور معاوضے کے معاملے میں جب ہر فریق کے لئے اس کے مال کا قدر و قیمت کے لحاظ سے مساوی اور برابر عوض موجود ہو تو اس میں معاشی عدل پایا جاتا ہے، اور جب معاملہ کے ایک فریق کیلئے اس کے مال کا سرے سے کوئی عوض و بدل موجود نہ

www.waseemziyai.com

ہو یا برابر و مساوی بدل و عوض موجود نہ ہو بلکہ ناقص عوض موجود ہو تو اس میں ظلم و استحصال ہوتا ہے۔ عدل کی شکل میں معاملہ شرعاً اور قانوناً جائز اور ظلم کی شکل میں حرام و ناجائز قرار پاتا ہے۔

چنانچہ معاشی حق اور معاشی عدل و ظلم کے اس تصور کی روشنی میں اس زیادہ مال کا جائزہ لیا جائے جو تجارتی نوعیت کے قرضوں میں قرض خواہ قرض کے اصل مال پر مقروض سے لیتا ہے، وہ زائد مال اس کا حق نہیں ہوتا، کیونکہ نہ اس کے پیچھے اس کی کوئی دماغی، جسمانی محنت و مشقت ہوتی ہے، اور نہ مقروض کے لئے اس کے برابر کوئی دوسرا مال ہوتا ہے، لہٰذا وہ بغیر کسی مساوی عوض و بدل کے دوسرے کا مال ناحق طور پر لیتا ہے، جس کی قرآنِ مجید میں واضح طور پر ممانعت ہے، سورۃ النساء کی آیت ہے:

یاایھا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔

ترجمہ: اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ اور نہ لو۔

بعض مفسرین حضرات نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے باطل کی تعریف لکھی ہے:

الباطل ھو کل ما یؤخذ من الانسان بغیر عوض۔

کسی انسان سے اس کا مال بغیر عوض کے لینا باطل ہے۔

رہا مذکورہ مؤقف کے حامیوں کا یہ کہنا کہ مقروض تجارت کی غرض سے لئے ہوئے قرض کے مال کے ساتھ کاروبار کر کے جو نفع کماتا ہے، اس میں قرض دینے والے کا حصہ اور حق ہوتا ہے، شریعت اور قانون کی رو سے بالکل غلط بات ہے۔ اگر ان کے ذہن میں قرض اور امانت کی شرعی اور قانونی حقیقت واضح ہوتی اور اس فرق پر ان کی نظر ہوتی جو قرض اور امانت کے مابین پایا جاتا ہے، تو یہ کبھی بھول کر بھی ایسی بات نہ کہتے۔ بہرحال یہ ایک متفقہ حقیقت ہے کہ قرض کے معاملہ میں قرض کا مال قرض دینے والے کی ملکیت سے نکل کر قرض لینے والے کی ملکیت میں منتقل ہو جاتا اور اس مال کی حیثیت ہر لحاظ سے ٹھیک ویسی ہی ہو جاتی ہے، جو مقروض کے کسی دوسرے ذاتی مال کی ہوتی ہے، مقروض کو اس میں ہر تصرف اور رد و بدل کا ٹھیک ویسا ہی اختیار ہوتا ہے، چنانچہ جس طرح وہ اپنے کسی دوسرے ذاتی مال کے ساتھ

www.waseemziyai.com

کاروبار سے حاصل شدہ پورے منافع کا حقدار ہوتا ہے، اسی طرح وہ اس قرض کے مال کے ساتھ کاروباری محنت ومشقت کے ذریعے جو منافع کماتا ہے اس کا بھی وہ بلاشرکت غیر خود حقدار ٹھہرتا ہے، قرض دینے والے کے متعلق شرعاً اور قانوناً مقروض کی صرف ایک ذمہ داری ہوتی ہے، اور وہ یہ کہ مقررہ وقت پر قرض کے مال کی مثل ادا کرے، قرض دینے والا اس کے سوا اور کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا، اس کو اس سے کچھ سروکار نہیں کہ مقروض نے مال قرض سے فائدہ اٹھایا یا نقصان یا اس کے پاس سے وہ مال چوری یا کسی ارضی سماوی آفت کی وجہ سے ضائع ہو گیا وہ ہر حال میں اپنے اصل مال کی مثل واپس لینے کا حقدار ہوتا ہے، بخلاف امانت کے معاملہ کے کہ اس میں امین کے پاس بطور امانت جو مال ہوتا ہے وہ اس کی ملکیت نہیں بلکہ امانت والے کی ملکیت میں رہتا ہے۔ چنانچہ اگر کبھی کسی غیر اختیاری سبب مثلاً ارضی سماوی آفت سے تلف اور ضائع ہو جائے تو اس کا تاوان امین پر نہیں آتا اس کا تمام تر بوجھ امانت والے کو برداشت کرنا پڑتا ہے، اس کی وضاحت کے لئے معاملہ مضاربت کی مثال لیجئے کہ اس میں رب المال کا جو مال عامل مضارب کے پاس ہوتا ہے، وہ قرض کے طور پر نہیں بلکہ امانت کے طور پر ہوتا ہے، چنانچہ اگر کبھی کسی حادثہ میں غیر اختیاری طور پر ضائع ہو جائے یا تجارت میں اتنا خسارہ ہو کہ اصل سرمایہ بھی محفوظ نہ رہے تو اس کا تمام تر مالی نقصان تنہا رب المال کو برداشت کرنا پڑتا ہے، عامل مضارب اس میں شریک نہیں ہوتا چنانچہ یہی وہ چیز ہے جو نفع کی صورت میں رب المال یعنی مال والے فریق کیلئے نفع کے ایک مقرر حصے کو لینے کا جواز پیدا کر دیتی ہے، یہ ایک فقہی اور عقلی قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کا نقصان برداشت کرتا ہے وہ اس کا فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے، ''الغنم بالغرم'' اور ''الخراج بالضمان'' کا یہی مطلب ہے، اور چونکہ قرض کی صورتمیں قرض دینے والا مال قرض میں کوئی نقصان برداشت نہیں کرتا لہٰذا مال قرض پر کچھ بھی زائد مال نہیں لے سکتا، یہ قاعدہ عدل وانصاف اور عقل وقیاس کے عین مطابق ہے۔

اور چونکہ زیر بحث تجارتی نوعیت کے قرضوں میں یہ طے ہوتا ہے کہ قرض خواہ کو قرض کی اصل رقم ضرور ادا کرے گا خواہ وہ اس کے پاس کسی وجہ سے ضائع ہی کیوں نہ ہوگئی ہو گویا وہ اصل رقم میں کوئی نقصان برداشت کرنے کی ضمانت نہیں دیتا، لہٰذا وہ کسی نفع کا بھی

www.waseemziyai.com

مستحق قرار نہیں پاتا، چنانچہ وہ قرض کے اصل مال پر جو بھی زائد مال لیتا ہے، وہ اس کا حق نہیں بلکہ قرض دار کا حق ہوتا ہے اور کسی کا حق مارنے کا دوسرا نام معاشی ظلم و استحصال ہے۔

علاوہ ازیں مؤقف مذکور کے غلط ہونے کی ایک اور وجہ یہ کہ اس مؤقف کے حامی تجارتی قرضوں پر جواز سود کے اس وجہ سے قائل ہیں کہ مقروض شخص اس مال کے ساتھ تجارت کرتا اور نفع کماتا ہے، لہٰذا اس میں سے ایک حصہ قرض خواہ کو مل جانا مقروض کی حق تلفی کا باعث نہیں بنتا جو حرام و ناجائز ہے، حالانکہ یہ حضرات اس کو بھول جاتے ہیں کہ تجارت میں ہمیشہ نفع نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات نفع تو درکنار اصل سرمایہ ہی خسارے کی لپیٹ میں آ جاتا ہے، لیکن مذکورہ مؤقف کے مطابق ایسی صورت میں بھی مقروض پر لازم ہوتا ہے کہ قرض کا اصل مال بمعہ مقررہ سود کے ادا کرے۔ بتلائیے ایسی صورت میں قرض خواہ، قرض کے اصل مال پر بطور سود جو زائد مال لیتا ہے اس کا کیا جواز ہو سکتا ہے، یہ کس منافع کا ایک حصہ ہوتا ہے، علاوہ ازیں یہ سمجھنا کہ کاروبار میں جو منافع حاصل ہوتا ہے اس کا ایک حصہ تاجر کی محنت و مشقت سے اور دوسرا اس میں لگے ہوئے سرمائے سے پیدا ہوتا ہے، حقیقت واقعہ کے لحاظ سے بالکل غلط و باطل ہے، کیونکہ سرمایہ کسی شکل میں اپنے وجود کو برقرار رکھتے ہوئے کسی مال کو پیدا نہیں کرتا اور نہیں کر سکتا ہے، کوئی مال کسی مال سے نہیں بلکہ صرف انسانی عمل اور جہد سے پیدا ہوتا ہے، مثال کے طور پر مال کی ایک قسم زر و نقدی اور سونے چاندی کو لیجئے آپ سو سال تک کسی محفوظ جگہ مثلاً تجوری میں رکھئے جب نکالیں گے تو اس میں ذرہ بھر اضافہ نہ ہوگا، اگر سرمایہ یعنی مال نباتات و حیوانات یا ان سے حاصل اور تیار کردہ مختلف سر و سامان اور اشیاء کی شکل میں بے کار پڑا ہو تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ کہنگی کے ذریعے بتدریج تحلیل ہوتا اور اپنی قدر و قیمت کھوتا چلا جاتا ہے، از خود اس میں اپنے وجود کو برقرار رکھتے ہوئے کبھی کوئی اضافہ ظہور میں نہیں آتا، یہ وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا ہر انسان اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے اس کے ثبوت کیلئے کسی عقلی و نقلی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں، البتہ جب کوئی مال کسی بھی شکل میں کسی کاروبار میں استعمال ہوتا اور رأس المال و سرمایہ کہلاتا ہے، تو وہ سرمایہ اپنی اصل شکل میں قائم نہیں رہتا، کبھی ایک شکل سے دوسری شکل اختیار کر لیتا ہے، مثلاً تجارت میں سکہ رائج الوقت کی شکل میں جو زر و نقدی ہوتی ہے، اور خرید و فروخت کا دھندہ ختم ہونے کے بعد پھر عموماً حسب سابق زر و

www.waseemziyai.com

نقدی کی صورت اختیار کر لیتی ہے، صنعتی کاروبار ہو تو زر و نقدی مختلف قسم کے صنعتی ساز و سامان کی شکل میں تبدیل ہو جاتی، جس میں اوزار، مشینیں، خام مواد، ایندھن جیسے تیل، کوئلہ، گیس، بجلی وغیرہ شامل ہیں، اور پھر مختلف قسم کی مصنوعات اور تیار اشیاء کی شکل میں سامنے آتی اور بالآخر پھر سکہ رائج الوقت زر و نقدی کی صورت اختیار کر لیتی ہے، بہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ سرمایہ جب کاروبار میں استعمال ہوتا ہے تو اپنی اصل شکل پر جوں کا توں برقرار نہیں رہتا بلکہ ضرور تبدیل ہوتا ہے، لیکن استعمال ہونے سے اس میں جو تبدیلی آتی ہے اس تبدیلی کے اثرات مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اوزار اور مشینیں استعمال ہونے سے گھستی اور ان کی قیمت و مالیت برابر گھٹتی اور کم ہوتی چلی جاتی ہے، ایندھن جل کر ختم ہو جاتا ہے، خام مواد، تیار مال اور مصنوعات کی شکل اختیار کر لیتا ہے، غرض یہ کہ کاروبار میں لگا ہوا سرمایہ خواہ وہ کسی شکل میں بھی ہو استعمال ہونے سے فنا اور ضائع نہیں ہوتا بلکہ بعض شکلوں میں جزوی اور بعض شکلوں میں کلی طور پر تحلیل ہو کر کارخانے کی ہونے والی پیداوار میں شامل ہو کر اس کے حجم کو کمیت و مقدار کے لحاظ سے بڑھا دیتا ہے، لیکن اس کا کسی طرح یہ مطلب نہیں ہوتا کہ سرمائے نے پیداوار کے ایک حصہ کو پیدا کیا کیونکہ یہ مطلب صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جب سرمایہ اپنے وجود کو برقرار رکھتے ہوئے کسی نئی چیز کے وجود کا سبب و ذریعہ بنے، حالانکہ کاروبار میں استعمال ہونے والا سرمایہ اپنے اصل وجود کے ساتھ قائم و برقرار نہیں رہتا جیسا کہ عام مشاہدہ ہے، تو پھر یہ سمجھنا کہ کسی صنعتی کاروبار میں حاصل ہونے والی پیداوار کے ایک حصے کو سرمائے نے پیدا کیا خلاف واقعہ ہونے کی وجہ سے بالکل غلط اور باطل ہوتا ہے، پیداوار تمام تر انسانی محنت و مشقت کا نتیجہ ہوتی ہے، اس کی وضاحت کے لئے ایک چھوٹی سی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ درزی جب بغیر سیونگ مشین کے ہاتھ کے ساتھ کپڑے سیتا ہے دن بھر میں بمشکل دو تین کپڑے سی پاتا ہے، لیکن جب سیونگ مشین کے ساتھ سیتا تو زیادہ تعداد میں سی لیتا ہے، تو اس سے بظاہر یہ لگتا ہے کہ ان میں سے کچھ کپڑے درزی کی محنت نے اور کچھ سیونگ مشین نے سیئے اور تیار کئے اور چونکہ مشین سرمائے کی تعریف میں آتی ہے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ کچھ کپڑے درزی کی محنت سے تیار ہوئے اور کچھ کو مشین کی شکل میں سرمایہ نے پیدا کیا لیکن گہری نظر سے بغور دیکھا جائے تو مطلب مذکور غلط نظر آتا ہے، کیونکہ درحقیقت مشین کے ساتھ کام کرنے کی صورت میں پیداوار

www.waseemziyai.com

میں جو اضافہ ہوتا ہے اس کی وجہ کاریگر کی نئی محنت کے اثرات کے ساتھ پرانی محنت کے کچھ اثرات کا شامل ہو جانا ہے، جو بے شمار انسانوں کی دماغی جسمانی سعی ومحنت سے وجود میں آئے اور مشین کی شکل میں متشکل ہوئے، مشین ایک قدرتی دھات ہے جس کو کان سے نکالنے اور موجودہ شکل دینے تک بیشمار انسانوں نے بلاواسطہ اور بالواسطہ مختلف قسم کے کام انجام دیئے، لہٰذا اس وقت اس مشین کی جو قدر و قیمت اور جو مالیت ہے، وہ اس دھات کی نہیں جس سے وہ مشین بنی ہے بلکہ سعی ومحنت کے ان اثرات کی ہے، جو مشین کی صورت میں متشکل ہو کر سامنے آئے۔ چنانچہ جب مشین کاروبار میں استعمال ہوتی ہے تو کچھ اثرات اس سے جدا ہو کر نئی محنت کے اثرات میں شامل ہو جاتے اور پیداوار میں اضافے کا باعث بنتے ہیں، لیکن اس اضافے سے دوسری طرف مشین کی مالیت و قیمت میں بھی ضرور کچھ نہ کچھ کمی واقع ہوتی ہے جس کا معاوضہ کارخانہ دار مجموعی آمدنی میں سے وصول کرنا اپنا حق سمجھتا اور اس کو ضرور حساب میں لاتا ہے، گویا اس کے نزدیک گھسنے سے مشین کی مالیت میں جو کمی واقع ہوئی وہ نئی پیداوار میں منتقل و شامل ہو جاتی ہے، حاصل بحث یہ کہ کسی بھی صنعتی کاروبار میں جو سرمایہ استعمال ہوتا ہے، وہ اپنے وجود کو برقرار رکھتے ہوئے کسی چیز کو پیدا نہیں کرتا بلکہ جزوی یا کلی طور پر تحلیل وتبدیل ہو کر اس پیداوار میں شامل ہو جاتا ہے جو کاریگروں اور مزدوروں کی دماغی جسمانی سعی ومحنت سے وجود میں آتی ہے اور اس میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

دراصل یہاں دو الگ الگ چیزیں ہیں لیکن عام طور پر ایک ظاہر بین سطحی نظر رکھنے والا شخص اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھتا جو ان چیزوں کے مابین پایا جاتا ہے لہٰذا وہ بھٹک جاتا ہے مطلب یہ کہ ایک چیز ہے ہر کاروبار کے لئے کسی نہ کسی شکل میں سرمائے کے وجود کا ضروری ہونا، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی ہوش مند شخص انکار نہیں کر سکتا اور دوسری چیز ہے سرمائے کا کسی مال کو پیدا کرنا ان دو چیزوں میں عقلی اور واقعی طور پر کوئی تلازم نہیں، مثال کے طور پر ایک بیج کو لیجئے جو درخت کے لئے بہرحال ضروری ہوتا ہے، لیکن وہ درخت کو پیدا کرنے والا نہیں ہوتا چنانچہ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ بیج سے درخت پیدا ہوا لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ بیج نے اپنے وجود کو برقرار رکھتے ہوئے درخت کو پیدا کیا، کیونکہ وہ خود فنا ہو جاتا ہے۔

www.waseemziyai.com

پھر چونکہ ہر آدمی اس باریک فرق کو سمجھ نہیں پاتا جو ایک چیز کے دوسری چیز کیلئے ضروری ہونے اور ایک چیز کے دوسری چیز کو پیدا کرنے کے مابین پایا جاتا ہے، لہٰذا وہ اس دھوکے اور مغالطے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ سرمایہ چونکہ کاروبار کرنے کیلئے ضروری ہے لہٰذا وہ پیدا آور عامل بھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی سرمایہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتا جیسا کہ اوپر قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے لہٰذا یہ نظریہ حقیقت واقعہ کے لحاظ سے غلط اور باطل ہے کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی مال و دولت کو پیدا کرتا ہے، اس کی غلط اور باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس نظریہ کو صحیح مانتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، آج تک یہ طے نہیں کر سکے اور یقیناً آئندہ بھی کبھی نہ کر سکیں گے کہ کسی کاروبار میں جو منافع ہوتا ہے اس کا کتنے فیصد سرمائے سے اور کتنے فیصد محنت سے پیدا شدہ ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ جب تک اس کا تعین نہ ہو تو معاملے میں عدل کی صورت کا تعین ناممکن ہو جاتا ہے، غور سے دیکھا جائے تو سرمایہ دار ممالک میں سرمایہ دار اور محنت کش کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والی کشمکش اور آویزش پائی جاتی ہے، وہ نتیجہ ہے اس اندھے بہرے، مبہم و مجہول تصور اور نظریے کا کہ سرمایہ بھی دولت پیدا کرتا ہے، لہٰذا اس کی آڑ میں سرمایہ دار کو جو عموماً برتر و بالا پوزیشن میں ہوتا ہے محنت کش کے استحصال کا خوب موقع ملتا ہے اور اس کی کمزور حیثیت سے وہ بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے، اسی طرح حکومتی قوانین چونکہ سرمایہ داروں کی مرضی سے بنتے ہیں لہٰذا انہی کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔

اور چونکہ نظریہ مذکور حقیقت واقعہ کے لحاظ سے غلط و باطل اور عدل و انصاف کے سراسر منافی ہے، لہٰذا دین اسلام سے جو حقیقت پسند اور عدل وقسط کا دلدادہ ہے اس کا کوئی دور کا تعلق بھی نہیں ہو سکتا، اس کو اسلام کے حوالے سے صحیح کہنا اسلام پر تہمت لگانا اور بری طرح بدنام کرنا ہے، لیکن افسوس کہ بہت سے سطح بین، کم علم اور کم فہم لوگ اس گمراہی میں خود مبتلا اور دوسروں کو گمراہ کر رہے ہیں، اللہ ہی ان کو ہدایت دے۔ (آمین)

امید ہے اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ تجارتی قرضوں پر سود (کمرشل انٹرسٹ) کو جائز کہنا کس قدر بڑی غلطی ہے اور یہ کہ جس موہوم نظریہ پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ کس قدر غلط، مغالطہ آمیز اور شر انگیز ہے۔

www.waseemziyai.com

شراکت یا مشارکہ کیا ہے؟

سوال۲: ایک مسئلہ جدید کاروباری حوالہ سے معلوم کرنا ہے اور وہ یہ کہ ہمارے شہر میں اسلامی بینک کے لوگ آئے تھے یہاں انہوں نے ایک بریفنگ دی جس میں انہوں نے بتایا کہ اسلامی بینک شراکت کا کاروبار کرنے کے لئے سرمایہ کاری قبول کرے گا اور شراکت پر سرمایہ کاری کے لئے سرمایہ جاری کرے گا۔ براہِ کرم شراکت کے بارے میں کچھ تفصیلات مہیا فرمائیں۔ اور بینک کے ساتھ کس طرح شراکت کی جاسکتی ہے۔ (محمد ارشاد عارف، پشاور)

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وبہ نستعین۔ اسلامی بینک کے ساتھ سرمایہ کاری کے سلسلہ میں شرکت العقد کا معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ اور آج کل شرکت العقد ہی زیادہ معروف ہے اگرچہ شرکت کی متعدد اقسام ہیں۔ شرکت کیا ہے؟ فقہ اسلامی میں شرکت کی مختلف تعریفیں فقہاء اسلام نے بیان کی ہیں۔ فقہ حنفی کے مطابق شرکت سے مراد ہے۔ اختصاص اثنین فاکثر بمحل واحد۔ یعنی دو یا زیادہ افراد کا ایک محل عقد سے مخصوص ہو جانا۔ (فتاویٰ التاتارخانیہ، جلد ۵، ص ۶۲) جبکہ جدید معاشی نظام میں شرکت کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے۔

> Two three or more people combine, contribute, cpaital and agree to share profits and bear losses in agreed propertions (Modern Economic Theory by K.K. Dewit)

یعنی دو تین یا اس سے بھی زیادہ افراد اس طرح سرمایہ کاری کریں کہ اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کے حساب سے نفع ونقصان میں شریک ہوں۔

www.waseemziyai.com

شراکتی کاروبار جسے آج کل اسلامی بینکاری کی اصطلاح میں مشارکہ کہا جاتا ہے اسلام کی نظر میں پسندیدہ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فضیلت اور اس کی کامیابی کی ضمانت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ:

یداللّٰہ مع الشریکین مالم یتخاونا فاذا تخاونا محقت تجارتھما فرفعت البرکۃ منھا۔ (سنن ابی داؤد)

یعنی شراکتی کاروبار کرنے والوں پر اللہ کا ہاتھ رہتا ہے۔ جب تک کہ وہ اس میں باہمی خیانت کے مرتکب نہ ہوں اور اگر وہ خیانت کا ارتکاب کریں تو ان کی تجارت ختم ہو کر رہ جائے گی اور برکت اٹھ جائے گی۔

شرکت یا مشارکہ کا طریق جو مختلف اسلامی بینکوں نے عموماً اختیار کیا ہے وہ سودی قرضوں سے بچنے کے لئے ہے۔ کیونکہ اسلامی بینکاری سے قبل کنونشنل بینک تاجروں، صنعتکاروں اور دیگر ضرورت مندوں کو مختلف منصوبوں، تجارتی سودوں اور نئی انڈسٹری وغیرہ لگانے کے لئے سود پر سرمایہ مہیا کرتے تھے اور خود کاروبار میں شریک نہیں ہوا کرتے تھے۔ اسلامی بینکاری میں یہ ہوا ہے کہ اب بینک قرض جاری کرنے کی بجائے خود کاروبار میں بحیثیت شریک شامل ہوتا ہے۔ اس کا طریق کار جو ہمیں معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ کاروبار کے لئے شراکت کی بنیاد پر بینک کو سرمایہ کاری کی دعوت کوئی بھی کمپنی یا کاروباری ادارہ یا تاجر یا شخص دے سکتا ہے اور یہ دعوت ایک درخواست کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس درخواست کے ساتھ کمپنی یا شخص اس کاروبار کی وضاحت پر مشتمل پوری ایک سمری پیش کرتا ہے اور اگر کوئی نیا پراجیکٹ شروع کرنا ہو تو اس کی فزیبلیٹی رپورٹ بھی ساتھ منسلک کرنا ہوتی ہے جس میں تمام تر تفصیلات موجود ہیں۔ علاوہ ازیں پراجیکٹ اگر انڈسٹری کا ہے تو اس کے ساتھ جگہ کا تعین اور جگہ اگر اس کے پاس ہے تو اس کے ملکتی کاغذات وغیرہ منسلک کرنا ہوتے ہیں۔ اور دیگر دستاویزات جو بینک کو بحیثیت شریک اطمینان کے لئے درکار ہوں مہیا کی جاتی ہیں۔ بینک ان تمام دستاویزات کی جانچ پڑتال کے بعد اگر مطمئن ہو تو سرمایہ کاری کی حد متعین کرتا ہے کہ وہ کس حد تک سرمایہ کاری کرنے پر رضامند ہے۔ باہمی رضامندی سے طے شدہ سرمایہ کاری

www.waseemziyai.com

کے معاہدہ کی باقاعدہ شکل دی جاتی ہے اور اس طرح شرکت متناقصہ کا ایک معاملہ طے پا جاتا ہے۔ جس میں منافع کی تقسیم کا فارمولا شرعی احکام کے مطابق باہمی رضامندی سے طے ہوتا ہے اور نقصان رأس المال کے لحاظ سے طے پاتا ہے۔ (Capital) بینک اس کاروبار میں اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو وہ اس کی تفصیلات بھی طے کرتا ہے کہ وہ اپنا حصہ تدریجاً یا جزئیاً یا کلیاً کس طرح فروخت کرے گا۔

شرکت متناقصہ کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ معاہدہ میں مذکورہ مدت کے اختتام پر بینک اپنا حصہ کسی اور کو فروخت کر دے (یا حصہ دار کو) اور کسی اور کمپنی یا شخص کو اس کمپنی یا شخص کا حصہ دار/شریک بنا دے۔

۲۔ یا منافع کو تین حصوں میں تقسیم کر دے۔ ایک حصہ بینک کے لئے، دوسرا حصہ اس کاروبار سے بینک کے اصل سرمایہ کی وصولی کے لئے اور تیسرا حصہ کاروبار میں شریک کمپنی یا شخص کے لئے مختص کر دے۔

۳۔ رأس المال کے مختلف حصے (Shares) بنا دیئے جائیں ہر حصہ کی ایک قیمت مقرر کر دی جائے جس میں اصل زر اور حاصل شدہ منافع شامل ہو۔ اور یہ شیئرز بینک کے ساتھ شریک کاروباری کمپنی یا شخص جس نے بینک کو سرمایہ کاری میں شریک کیا تھا ہر سال تھوڑے تھوڑے کر کے اس طرح خریدتا رہے کہ بینک کا حصہ کم ہوتا چلا جائے تا آنکہ وہ کمپنی یا شخص کل سرمایہ کا مالک بن جائے۔ (ڈاکٹر عزالدین خواجہ نے اپنی کتاب ادوات استثمار الاسلامی میں ص ۱۰۶ سے ۱۰۹ میں اس کی تفصیلات بیان کی ہیں۔)

شرکت متناقصہ شرعاً درست ہے کہ یہ شرکت عنان ہی کی ایک صورت ہے کہ اس میں دونوں شریک اپنا اپنا سرمایہ (رأس المال) لگاتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے وکیل کے طور پر کام کرتے ہیں، ادارتی امور بینک عموماً اپنے شریک (کمپنی) کو تفویض کرتا ہے اور خود کاروبار میں سلیپنگ پارٹنر کا کردار ادا کرتا ہے۔

شرکت عنان کی تعریف فقہاء نے یوں بیان کی ہے۔ علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں: دو یا زیادہ افراد کسی (معاملہ یا کاروبار میں) اس طرح شریک ہوں کہ ہر ایک کا

www.waseemziyai.com

سرمایہ، عمل، حقوق مساوی نہ ہوں۔ اس میں ہر شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے۔ کفیل نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر زید اور عمر نے شرکت کی اور اس میں زید ایک ہزار روپے اور عمر ڈیڑھ ہزار روپے لگائے اور منافع بھی اسی تناسب سے طے پائے تو یہ شرکت عنان ہوگی۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، از علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی، طبع بیروت و کراچی، ج ٦، ص ۵٦)

جبکہ سرمایہ برابر برابر لگانے اور مال میں، حقوقِ تجارت میں، کام اور منافع میں شرکاء برابری پر ہوں اور ہر شریک دوسرے کا وکیل اور کفیل ہو تو یہ شرکت، شرکت مفاوضہ کہلائے گی۔

صورت مسئولہ میں بینک کا سرمایہ کاری کی شراکت کی بنیاد پر پیش کش کرنا اسلامی تجارت کے اصولوں کے مطابق ہے۔ اور بینک کے ساتھ شرکت عنان، شرکت متناقصہ، شرکت عقود کا معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں مضاربت بھی ہو سکتی ہے۔

....

www.waseemziyai.com

شرکتِ املاک یا شرکت عقود

سوال۲: مکانوں کی تعمیر کیلئے پہلے کمرشل بینک سودی قرضے جاری کیا کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں مگر اب مختلف اسلامی بینک قرضوں کی بجائے شراکت کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے سرمایہ کاری کرتے ہیں اور سود سے بچنے اور بچانے کیلئے شرکت املاک یا شرکت عقود کی بناء پر شراکت کرتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ یہ شرکت املاک یا شرکت عقود کیا ہے؟ براہِ کرم تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔

جواب: اسلامی بینکوں کا سودی قرضوں کی بجائے شرکت یا مشارکہ کرنا اچھی روایت ہے اور یہ اسلامی اصول تجارت میں سے ہے۔فقہاء نے شرکت کی دوقسمیں بیان کی ہیں۔

الشركة ضربان شركة املاك و شركة عقود۔

(الہدایۃ، ج۲،ص۶۰۴)

۱۔ شرکت املاک ۲۔ شرکت عقود۔

شرکت املاک کی تعریف فقہا کے ہاں یہ ہے:

شركة الاملاك العين يرثها رجلان ويشتر بانها۔

(الہدایۃ، ج۲،ص۶۰۴)

یعنی شرکت املاک ایسے مال عین میں ہے جس کے دو شخص وارث ہوں، دونوں اس کو خریدیں۔ ہدایہ ہی میں ہے کہ شرکت املاک، ملکیت کی شرکت کو کہتے ہیں وہ اس طرح کہ چند آدمیوں کو وراثت میں یا بطور ہبہ ایک جائیداد یا نقد روپیہ ملا یا وہ دونوں غلبہ کی صورت میں اس کے مالک بنجائیں، یا دو آدمیوں نے مل کر کوئی چیز خریدی تو یہ تمام صورتیں شرکت املاک کی ہیں۔ان صورتوں میں دونوں کو چیز کی ملکیت میں شریک تصور کیا جائے گا۔

(الہدایہ، ج۲،ص۶۰۴، نیز فتح القدیر، ج۵،ص۳۷۷)

www.waseemziyai.com

احناف کے نزدیک شرکت املاک کی مختصر اور جامع تعریف یہ ہے کہ وہ شخص ایک چیز کے مالک بن جائیں اوران میں کسی قسم کا شرکت کا کوئی معاہدہ نہ ہوا ہو۔

(فتاویٰ عالمگیری، ج ۴، ص ۱)

واضح ہو کہ شرکت املاکی پھر دو قسمیں ہیں :

۱۔ ایک قسم وہ ہے جو دونوں شریکوں کے کام کرنے سے ثابت ہو جاتی ہے۔ جیسے زید اور عمر نے مل کر کوئی چیز خریدی یا ان دونوں کو کوئی چیز کسی نے ہبہ کر دی، یا ان دونوں کے حق میں کسی نے وصیت کی یا ان دونوں کو کوئی چیز بطور صدقہ ملی اور انہوں نے اسے قبول کر لیا تو اس طرح ملنے والی کوئی چیز ان دونوں کے مابین اس طرح مشترک ہوگی کہ وہ دونوں ملکیت میں شریک ہوں گے۔ (بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۵۶)

۲۔ جبکہ دوسری قسم وہ ہے جو دونوں کے کام کرنے کے بغیر بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ وراثت کے ذریعہ اگر کوئی چیز دونوں کو ملی تو وہ دونوں اس کے وارث ہو جائیں گے۔ اور یہ موروثی چیز ان دونوں کے درمیان اس طرح مشترک ہوگی کہ وہ دونوں ملکیت میں شریک ہوں گے۔ (بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۵۶)

اسلامی بینک جب شرکت املاک کرتے ہوئے کسی شخص کے ساتھ مکان کی خریداری میں شراکت کرتے ہیں تو اس میں یہ بات طے ہوتی ہے کہ اس مکان کی مالیت کیا ہے جس مالیت پر مکان خریدا گیا اس میں بینک اور مکان کا طلبگار شریک ہو جاتے ہیں اور اس مالیت کی مساوی قسطیں مقرر کر لی جاتی ہیں۔ بینک اپنے شریک شخص کو اپنا حصہ قسطوں میں فروخت کرتا رہتا ہے اور اس طرح بینک کی ملکیت کم ہوتی رہتی ہے جبکہ دوسرے شریک کی ملکیت بڑھتی رہتی ہے اور بالآخر وہ مکان کا مالک بن جاتا ہے۔

شرکت عقود کا تعلق عقد سے ہے اور عقد بمعنی معاہدہ یا (Agreement) ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ شرکاء آپس میں ایک معاہدہ کے ذریعہ ایک دوسرے سے بندھ جائیں اور اس معاہدہ کی شرائط جو خود انہی نے طے کی ہیں کے پابند ہو جائیں۔

ہدایہ میں ہے :

www.waseemziyai.com

والضرب الثانی شرکة العقود و رکنها الایجاب والقبول وهو ان یقول احدهما شارکتك فی کذا و کذا ویقول الآخر قبلت۔ (الہدایۃ، ج ۲، ص ۶۰۴)

ترجمہ: دوسری قسم شرکت عقود ہے اور اس کا رکن ایجاب وقبول ہے اور وہ اس طرح کہ ایک شریک یہ کہے کہ میں نے تجھ سے فلاں چیز میں شرکت کی اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا۔

اگرچہ شرکت عقود کا اقرار و معاہدہ زبانی بھی ہوسکتا ہے جیسے نکاح کا اقرار و معاہدہ تاہم اس ایجاب وقبول کو فی زمانہ بینک یا کمپنیاں تحریری معاہدوں کی صورت میں طے کرتی ہیں۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ تو تحریر ہی کے قائل ہیں اور اس کو لازم سمجھتے ہیں چنانچہ المبسوط میں ان کا یہ قول درج ہے:

ان الکتابة عقد ارفاق۔ (لکھ لینا معاہدہ کو مضبوط کرتا ہے۔)

شرکت عقود میں شرط یہ ہے کہ شرکت عقود کا معاہدہ قابل وکالت ہونا چاہئے۔

ہدایہ میں ہے:

ان یکون التصرف المعقود علیه عقد الشرکة قابلا للوکالة لیکون ما یستفاد بالتصرف مشترکا بینهما فیتحقق حکمه المطلوب منه۔ (الہدایۃ، ج ۲، ص ۶۰۴)

یعنی: جس تصرف پر شرکت کا عقد و معاہدہ ہوا ہے وہ قابل وکالت ہو، تاکہ تصرف سے جو کچھ حاصل ہو وہ دونوں میں مشترک ہو، اور شرکت کے عقد سے جو حکم مطلوب تھا وہ ثابت ہو جائے۔

شرکت عقود کے بعض بنیادی اصول حسب ذیل ہیں:

۱۔ عقد تحریراً ہونا چاہئے تاکہ بوقت ضرورت اس سے مدد لی جاسکے۔

۲۔ منافع کی تقسیم کی مقدار بھی صاف صاف بیان کی جانی چاہئے کہ کتنا کس کو ملے گا۔

۳۔ ہر شریک مشترکہ مال میں امین ہوگا اور امین کی حیثیت سے مال کی حفاظت اس کی ذمہ داری ہوگی۔

www.waseemziyai.com

۴۔ ہر شریک مشترکہ مال میں وکیل کی حیثیت رکھے گا۔ وکیل کی حیثیت سے ہر ایک کو کاروبار کے انتظام اور تصرف میں برابر کا اختیار حاصل ہوگا۔

۵۔ کام اور سرمایہ برابر ہونے کی صورت میں بھی اگر باہمی رضامندی سے یہ طے ہو جائے کہ ایک آدمی کو زیادہ اور ایک کو کم نفع ملے گا تو ایسا طے کرنا درست ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ (کذافی الہدایہ، ج ۲، ص ۲۰۶)

۶۔ شرکت عقد میں عاقد خود یا اپنے نمائندہ کے ذریعہ کام میں شریک رہے گا۔ لیکن اگر کسی سبب سے شریک نہ رہ سکتا ہو تو منافع اور نقصان میں شریک ہوگا۔ کیونکہ کام مال یا ضمان میں سے کسی صورت بھی شراکت ہو تو منافع کا مستحق ہوتا ہے۔ (کذافی الہدایہ، ج ۲، ص ۶۰۹)

۷۔ اگر معاہدہ میں کسی فریق نے شرط رکھی کہ وہ کام میں شریک نہیں ہوگا تو شرکت عقد اس کے حق میں فاسد ہوگی۔

شرکت عقد کے چند بنیادی اصول حسب ذیل ہیں۔ ان کے علاوہ بھی شرکت عقد میں اقسام کے لحاظ سے الگ الگ اصول متعین ہیں۔

شرکت عقد کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

۱۔ شرکت مفاوضہ	۲۔ شرکت عنان
۳۔ شرکت صنائع	۴۔ شرکت وجوہ

احناف کے نزدیک شرکت عقود کی یہی چار قسمیں ہیں البتہ علامہ کاسانی نے شرکت عقود کی تین قسمیں بتائی ہیں اور وہ ہیں شرکت اموال، شرکت اعمال، اور شرکت وجوہ۔ پھر ان کے نزدیک شرکت اعمال میں شرکت ابدان، شرکت صنائع اور شرکت قبول آجاتی ہے۔ چنانچہ علامہ کاسانی نے شرکت عقود کی چھ قسمیں بتائی ہیں۔

۱۔ شرکت اموال مفاوضہ	۲۔ شرکت اموال عنان
۳۔ شرکت اعمال مفاوضہ	۴۔ شرکت اعمال عنان
۵۔ شرکت وجوہ مفاوضہ	۶۔ شرکت وجوہ عنان۔

(دیکھئے بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۵۶)

آج کل بینک شرکت ملک اور شرکت عقود کے ذریعہ House Financing کرتے ہیں اور اگر معاہدہ اسلامی روح کے مطابق ہو تو ان دونوں طریقوں سے بینک کے ساتھ مشارکت کر کے مکان بنانے یا خریدنے میں کوئی حرج نہیں۔

www.waseemziyai.com

بیع مرابحہ

س ۴: محترم جناب ڈاکٹر شاہتا صاحب درج ذیل مسئلہ میں آپ کے مجلّہ کے توسط سے رہنمائی درکار ہے، براہِ کرم جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اس مسئلہ کے بارے میں روشنی ڈالیں کہ زید نے بینک سے قرض مانگا کہ وہ ایک ٹریکٹر خریدنا چاہتا ہے مگر بینک نے اسے نقد رقم فراہم کرنے کی بجائے یہ کہا کہ بینک اسے ٹریکٹر خرید کر دینے کو تیار ہے۔ وہ بازار سے ٹریکٹر کی قیمتیں معلوم کرلے اور خریداری کے لئے مطلوبہ رقم کی مقدار بتائے تو اسے ٹریکٹر دلوایا جاسکتا ہے۔ زید نے ٹریکٹر کی قیمتیں معلوم کیں اور جو ٹریکٹر اسے پسند تھا اس کی تفصیلات بینک کو بتا دیں۔ بینک نے زید سے کہا کہ چونکہ بینک کاروباری ادارہ ہے اس لئے وہ اس ٹریکٹر کی خریداری میں کچھ منافع لے گا اور اس کی صورت یہ ہے کہ بازار میں موجود دس لاکھ روپے کا ٹریکٹر زید کو ادھار پر بارہ لاکھ میں دے گا اور زید کے ذمہ بارہ لاکھ کی ادائیگی قسطوں کی صورت میں ہوگی۔ زید کی طرف سے آمادگی کے بعد بینک نے ٹریکٹر کی فراہمی کی ایک درخواست زید سے لے لی جس میں یہ لکھا تھا کہ زید کو ایک عدد ٹریکٹر ان اوصاف کا درکار ہے۔ اس طلب نامہ پر دستخطوں کے بعد زید کو ٹریکٹر کی خریداری کے لئے رقم مہیا کردی۔ اور زید نے ٹریکٹر خرید لیا۔ پھر بینک نے ایک معاہدہ بیع پر زید سے دستخط کروائے جس میں ٹریکٹر کی قیمت خرید، اضافی اخراجات (رجسٹریشن فیس، بینک کے چارجز وغیرہ شامل تھے) اور قیمت فروخت اور مدت ادائیگی وغیرہ کی تفصیلات تھیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح کا معاملہ کیا شرعاً جائز ہے؟ اور بینک جس نے زید کو دس لاکھ کی گاڑی خرید کر دی مگر وہ وصول بارہ لاکھ روپے کرے گا تو کیا یہ سود نہیں ہوگا؟

www.waseemziyai.com

جبکہ بینک اسلامی بینکاری کا دعویدار ہے۔ (غلام رسول چشتی، فیصل آباد)

جواب: صورتِ مسئولہ میں بینک کے اسلامی بینکاری کا دعویدار ہونے کی بناء پر اس مسئلہ کو شرعی نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے جن امور کا جائزہ لینا ضروری ہے ان میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں۔

۱۔ بینک کا اولاً قرض فراہم کرنے کی بجائے ٹریکٹر خرید کر دینے کی بات کرنا۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بینک سودی قرضہ جاری کرنے سے اجتناب برتنا چاہتا ہے اور مال کی فراہمی کر کے گویا ایک تجارتی معاملہ کرنے کا خواہش مند ہے۔ یہ اسلامی اصولِ تجارت واحل اللّٰہ البیع و حرم الربٰو کے عین مطابق ہے۔اور بظاہر بیع مرابحہ کا معاملہ لگتا ہے۔

۲۔ بینک کا زید کو ٹریکٹر پسند کرنے اور قیمتیں معلوم کرنے کے لئے بھیجنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے زید کو اپنا وکیل نامزد کیا۔ کیونکہ ٹریکٹر کا ضرورت مند اگرچہ زید ہے لیکن بینک اس وقت خریدار ہے اور خریداری کے لئے بینک کو چاہیے تھا کہ وہ اپنے کسی افسر یا ملازم کے ذریعہ ٹریکٹر کی معلومات کرتا اور ٹریکٹر کی خریداری اپنے کسی ملازم کے ذریعہ کرتا، لیکن اس مشقت سے بچنے کے لئے بینک نے زید ہی کو یہ کام سونپ دیا بہتر ہوتا کہ یہاں بینک اور زید کے مابین ایک تحریری دستاویز بن جاتی کہ بینک نے زید کو اپنا وکیل مقرر کیا ہے اور وہ بینک کے لئے ایک عدد ٹریکٹر جس کے مواصفات اس اس طرح ہیں خریدنے کا پابند ہے اور اس کام کی زید کو کوئی اجرت بھی بینک (اجرتِ وکالت) ادا کر سکتا تھا۔ پھر بینک کے وکیل کے طور پر زید ٹریکٹر کی تفصیلات حاصل کرتا اور خریداری کا معاملہ کرتا۔ تاہم اگر بینک کے مجاز افسر نے زید کو زبانی طور پر بھی اپنا نمائندہ یا وکیل نامزد کر دیا اور زید نے ٹریکٹر کی خریداری بینک کے لئے کر لی تو جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و اذا اری الرجل الرجل السلعة فقال اشتر هذه و اربحك فيها كذا۔ فاشتراها الرجل فالشراء جائز، والذی قال

www.waseemziyai.com

اربحك فيها بالخيار ان شاء احدث فيها بيعاوان شاء تركه۔

(کتاب الام،۳/۳۳)

یہاں یہ اعتراض وارد نہیں ہوسکتا کہ خریدار بینک کا وکیل کیسے ہوگیا کیونکہ ابھی زید نے بینک سے خریداری کا کوئی معاہدہ نہیں کیا لہٰذا وہ خریدار نہیں نیز یہ کہ اسلامی بینکاری میں اب یہ معاملہ ایک عرف کی حیثیت اختیار کر گیا ہے کہ جسے سامان چاہئے ہوتا ہے اسی کے ذریعہ بینک خریداری کرالیتا ہے تاکہ اس کی حسب منشاو خواہش اسے سامان مل سکے اورعرف کا اعتبار شرع میں کیا جاتا ہے حتیٰ کہ فرمایا:

واعلم ان اعتبار العادة والعرف يرجع اليه فى الفقه فى مسائل كثيره حتیٰ جعلوا ذلك اصلا۔ (اشباہ،ص ۳۷)

۳۔ چونکہ مال کی خریداری کے بعد اس کا مشتری کی ملک میں آنا اور مبیع پر مشتری کا قبضہ ہونا شرط ہے اس کے بغیر وہ اسے کسی دوسرے کو فروخت نہیں کرسکتا اس لئے ٹریکٹر کی خریداری کے بعد بینک کا اس پر قابض ہونا شرط ہے۔اور ٹریکٹر بینک کی ملکیت میں آنا ضروری ہے۔جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ **وبيع المنقول قبل القبض لا يجوز بلاخلاف بين اصحابنا** (بدائع الصنائع، ج ۵،ص ۳۰۶) اس مسئلہ میں چونکہ زید نے بینک کے وکیل کے طور پر ٹریکٹر خریدا اور اپنی ملکیت میں بحیثیت وکیل لے لیا اور ابھی زید اور بینک کے مابین مشتری اور بائع کی حیثیت نہیں اور نہ کوئی معاہدہ بیع طے پایا ہے تو بینک کا قبضہ ثابت ہوگیا کہ ابھی زید بینک کا وکیل ہے۔

اس کے بعد اگر بینک نے یہ ٹریکٹر ایک معاہدہ بیع کے ساتھ زید کو فروخت کردیا اور اس میں صاف صاف لکھا کہ بینک کو یہ ٹریکٹر اتنے میں پڑا ہے، اس میں ٹریکٹر کی اصل قیمت جس پر خریدا اور اس پر جو دیگر اخراجات ہوئے وہ شامل کر کے کل قیمت فرض کیجئے دس لاکھ پچاس ہزار ہوئی تو معاہدہ میں یہ بات آنی چاہئے تھی کہ بینک کو یہ ٹریکٹر دس لاکھ پچاس ہزار میں پڑا ہے اور زید کو بارہ لاکھ میں فروخت کیا جاتا ہے۔ جو آسان قسطوں کی صورت میں زید کو ادا کرنے ہیں۔

www.waseemziyai.com

اگر یہ معاملہ اسی طرح ہوا ہے تو یہ معاملہ بیع مرابحہ کا ہے کہ مرابحہ کی تعریف میں یہ ہے کہ: المرابحة مصدر رابح و شرعاً بیع ما ملکه بما قام علیه وبفضل مونة۔

(درمختار علی ہامش الرد۴/۱۷۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اگر بینک نے اسی طرح کیا ہے تو اس معاہدہ بیع میں کوئی شرعی قباحت نہیں کہ مرابحہ میں قیمت خرید پر یا جتنے میں چیز پڑی ہو اس کی وضاحت کے ساتھ اس پر نفع مقرر کر کے ادھار پر اسے فروخت کرنا جائز ہے اور یہ سود نہیں کہ سود کی تعریف تو یہ ہے کہ رقم پر نفع حاصل کیا جائے اور بیع یہ ہے کہ مال کو نفع پر بیچا جائے۔ اور مال کا نقد یا ادھار نفع کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

ویصح البیع بثمن حال و مؤجل باجل معلوم۔

(مجمع الانہر، ج ۲، ص ۸)

خلاصہ یہ کہ زید کا بینک سے مذکورہ بالا طریق پر ٹریکٹر خریدنا جائز ہے۔ اور اس میں زید کو جو دس ساڑھے دس لاکھ کی بجائے بارہ لاکھ روپے ادا کرنے ہیں تو وہ ٹریکٹر کی ادھار قیمت ہے جو اس نے معاہدہ بیع میں دینا تسلیم کی ہے۔ اگر بینک زید کو رقم فراہم کرتا اور یہ کہتا کہ یہ رقم ہے تم اس سے ٹریکٹر خریدو یا ٹرک، ہمیں تو دس کے بارہ لاکھ واپس چاہئیں تو یہ سود کا معاملہ ہوتا لیکن بینک نے رقم قرض پر نہیں دی بلکہ ٹریکٹر خرید کر دیا ہے اور یہ ٹریکٹر کی ادھار قیمت ہے اور نقد یا ادھار کوئی شئی منافع پر فروخت کرنا جائز ہے۔ کما سبق۔ واللہ اعلم بالصواب۔

....

www.waseemziyai.com

مکانوں کی تعمیر، مرمت یا خریداری بصورتِ مشارکہ

س ۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں عمر دین نے ایک مکان تعمیر کرنے کے لئے اسلامی بینک سے قرض مانگا۔ تو بینک والوں نے کہا کہ قرض کی بجائے آپ بینک سے مکان لے لیں اور اس کی دو صورتیں بیان کیں۔

۱۔ مکان خریدنے یا بنانے کے لئے آپ بیس فیصد رقم لگائیں اور ۸۰ فیصد رقم بینک لگائے گا اس طرح آپ بینک سے مشارکہ کرلیں۔

۲۔ یا اگر آپ کے پاس مکان کی قیمت کے بیس فیصد کے برابر رقم نہیں تو پھر بینک سے اجارہ کرلیں۔

مشارکہ کی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ اگر آپ کے پاس کچھ رقم ہے تو آپ بینک کو مکان کی تعمیر یا خریداری میں اپنا شریک بنالیں۔ اور اس طرح کہ مکان کی کل قیمت کا بیس فیصد حصہ آپ ادا کریں باقی ۸۰ فیصد بینک ادا کرے گا اور پھر آپ ہر ماہ یا تھوڑے تھوڑے عرصہ بعد کچھ رقم بینک کو ادا کرتے رہیں۔ اس طرح جتنی رقم آپ بینک کو ادا کریں گے اتنا حصہ بینک کا کم ہوتا جائے گا اور آپ کا بڑھتا جائے گا تا آنکہ آپ مکان کے مالک بن جائیں گے۔

دوسری صورت یہ کہ آپ اجارہ کا معاملہ کرلیں اور اجارہ یہ ہے کہ آپ مکان بینک سے خریدوالیں، اب بینک مالک ہوگا اور آپ اس میں کرایہ دار کے طور پر رہیں۔ جو رقم آپ کرایہ کی مد میں ادا کریں گے وہ بینک میں جمع ہوتی رہے گی اور جب اتنی ہو جائے گی جتنی مکان کی قیمت خرید تھی تو اس وقت بینک آپ کو وہ مکان ہبہ کردے گا۔

www.waseemziyai.com

دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا مذکورہ بالا دونوں یا کوئی ایک طریقہ اسلامی ہے؟ اس میں کوئی غیر شرعی معاملہ یا سود کا دھوکہ تو شامل نہیں۔ (عمر دین، سکنہ ملتان دولت گیٹ)

جواب: الحمدللہ اب اسلامی بینکاری کی بنا پر سود سے اجتناب کے مواقع اہل پاکستان کو بھی میسر آ رہے ہیں۔ اگر اسلامی بینکاری کا آپشن نہ ہوتا تو بینک مارک اپ پر قرضہ فراہم کرتے اور جسے سودی قرضہ نہیں چاہئے وہ اس سہولت سے محروم رہتا جو اسلامی بینکاری نے فراہم کی ہے۔

مذکورہ بالا سوال میں بینک کا یہ کہنا کہ قرض نہیں مکان لے لو یہی بہت خوش آئند بات ہے کہ نقد کا کاروبار ختم اور مال (Commodity) کا کاروبار فروغ پا رہا ہے۔ اور یہی اسلام کا منشا ہے کہ روپے سے روپیہ نہ کماؤ بلکہ مال سے روپیہ کماؤ۔ تجارت کو فروغ دو اور پیسے سے پیسہ کمانے کے رجحان کو ختم کرو۔

مذکورہ بالا دونوں صورتیں اسلامی بینکاری نے پیش کی ہیں اور دونوں ہی اگر اپنی اصلی کیفیت کے ساتھ نافذ کی جائیں تو بڑی عمدہ ہیں۔

۱۔ مکان کیلئے بینک سے مشارکہ کرنا:

مشارکہ یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ شریک کسی مال یا عقار (پراپرٹی) میں حصہ دار بن جائیں اور وہ مال یا جگہ ان دونوں کی مشترکہ قرار پا جائے۔ اصطلاح فقہاء میں شرکت سے مراد:

هي عبارة عن اختلاط نصيبين فصاعدا بحيث لايعرف احد النصيبين من الآخر۔ (فتح القدیر، ج ۵، ص ۳۷۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) نیز الشركة في المعروف لغت الخلطت سمي بها العقد لانها مسببة۔ (فتح القدیر، ج ۵، ص ۳۷۶)

مذکورہ سوال میں یہ بتایا گیا ہے کہ بینک نے سائل کو مشارکہ کی دعوت دی کہ وہ مکان کی خریداری میں بینک کو شریک کر لے گویا کچھ رقم وہ مہیا کرے اور بقیہ رقم بینک مہیا کرے گا اور عموماً اس طرح کے مشارکہ میں بینک کا حصہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس قسم کے مشارکہ کو تمویل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ صورتِ مسئولہ میں بھی سائل نے بینک سے تعمیر

www.waseemziyai.com

مکان کے لئے قرض مانگا تو بینک نے کہا کہ قرض کی بجائے مکان لےلو اور اس نے سائل کو دعوت دی کہ وہ اس میں کچھ رقم اپنی ملا کر مشارکہ کر لے یا اجارہ کر لے۔

مشارکہ اور اجارہ دونوں شریعت اسلامیہ میں جائز ہیں بشرطیکہ ان شرائط کا التزام کیا جائے جو مشارکہ اور اجارہ کے لئے طے ہیں۔ مشارکہ کی یہ صورت جو مکان کی خریداری کے معاملہ میں ہے شرکت الملک سے تعلق رکھتی ہے۔ شرکتالملک کی تعریف یہ ہے کہ:

ان یکون الشئی مشترکا بین الثنین او اکثر بسبب من اسباب التملك كالشراء والهبة والوصية والارث او خلط الاموال او اختلاطها بصورة لا تقبل التمييز والتفريق۔

(الوجیز للامام الغزالی، ۱/۱۴۶)

(یعنی کوئی چیز ان اسباب ملکیت (تملک) میں سے کسی سبب سے دو یا دو سے زیادہ لوگوں کے مابین مشترک ہو، جیسے خریداری کے سبب، ہبہ، وصیت، میراث، یا اموال کے اختلاط کے سبب اور اختلاط ایسا کہ ان میں امتیاز وفرق نہ کیا جاسکے۔)

شرکت ملک پھر دو قسم کی ہے ایک شرکت بالاختیار اور دوسری شرکت بالجبر۔

یہاں اس مسئلہ میں یہ شرکت اختیاری ہے، اور شرکت اختیاری کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ:

ان یجتمع الشریکان او اکثر فی ملك الشئی بالاختیار۔

(الشامی ۴/۳۰۰)

صورتِ مسئولہ میں مشارکہ کرنے کی صورتمیں مکان کا طلب گار بیس فیصد رقم کا مشارکہ کرے گا اور بینک ۸۰ فیصد کا اور مشارکہ کا معاہدہ ہو جانے کے بعد اب مکان خرید لیا جائے گا اور اس مکان کے کاغذات مشترکہ ملکیت کے کاغذات ہوں گے۔ شریک اول (عمر دین) اس مکان کے بیس فیصد حصہ کا گویا مالک ہوگا اور بینک ۸۰ فیصد کا۔ اب عمر دین کو یہ مکان کرایہ پر حاصل کرنے کا ایک معاہدہ بینک سے کرنا ہوگا کہ وہ اس مکان میں رہنا چاہتا

www.waseemziyai.com

ہے تو چونکہ شریعت اسلامیہ کی رو سے کسی شریک کا اپنی ملک میں موجود عقار کو استعمال کرنے کا باجازت شریک یا شرکاء اختیار ہے۔ جیسا کہ شامی میں ہے کہ:

لوتھایا: (الهيئة به والمهاياة) وهی فی لسان الشرع قسمة المنافع وانها جائزة فی الاعیان المشترکة التی یملك الانتفاع بها علی بقاء عینها وان اتهایو قدیکون فی الزمان وقد یکون من حیث المکان۔

اس طرح شریک اول ملک مشترک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس مکان میں رہے گا اور شریک ثانی یعنی بینک اگر مطالبہ کرے تو اس کو اس کے حصہ کا کرایہ ادا کرے گا۔ نیز وہ ایک مدت مقررہ جو فریقین میں طے پا جائے، کے اندر شریک ثانی (بینک) کے حصہ کو خریدنے کے لئے قسطوں میں رقم ادا کرتا رہے گا۔ اس پراپرٹی کی کل لاگت کا وہ حصہ جس کا مالک بینک ہے اس کے یونٹ بنا لئے جائیں گے۔ مثلاً کل پراپرٹی اگر ایک لاکھی ہے اور اس میں بیس فیصد حصہ شریک اول کا ہے تو اس کے بیس یونٹ ہوئے جو اس کی ملکیت ہیں اور ۸۰ یونٹ بینک کے ہوئے جو اسی فیصد کا مالک ہے۔ ہر یونٹ کی قیمت ایک ہزار ہو تو ۸۰ یونٹ ۸۰ ہزار کے ہوئے۔ شریک ثانی ہر ماہ یا وقفہ وقفہ سے شریک اول کے یونٹ خریدتا رہے گا اور جب ۸۰ یونٹ کی قیمت ادا کر چکا ہوگا تو معاہدہ کے مطابق شریک ثانی شریک اول کے پورے حصص کا مالک ہو چکا ہوگا اور یوں یہ پراپرٹی شریک اول کے نام منتقل ہو جائے گی۔ واضح رہے کہ مکان میں رہائش کے دوران شریک ثانی جو کرایہ ادا کرے گا ملکیتی حصوں کی خریداری کے حساب سے کرایہ بھی باہمی مشاورت سے تبدیل ہوتا رہے گا کیونکہ جس قدر شریک ثانی کی ملکیت بڑھتی جائے گی وہ مستاجر کم اور مالک زیادہ بنتا جائے گا اور اس طرح کرایہ میں بتدریج کمی ہوتے ہوتے بالآخر ختم ہو جائے گا۔

چنانچہ اسلامی بینک کے ساتھ مشارکہ کا یہ معاملہ جائز ہوگا۔ اسے مشارکہ متناقصہ کہہ سکتے ہیں مشارکہ متناقصہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ:

قد یشترك المصرف مع احد العملاء، فی ملکیة عقار مثلا،

www.waseemziyai.com

مع الاتفاق بينهما على ان يسدد العميل الى المصرف عددا محددا من الاقساط الدورية، يتنازل بانتهائها المصرف عن حصته فى الملكية للعميل الذى يصبح فى النهاية مالكا للعقار كله۔ (الفتاویٰ الشرعیۃ فی الاقتصاد، ج ۳، ص ۵۹)

مکان حاصل کرنے کے لئے بینک کی تجویز کردہ دوسری صورتا جارہ کی ہے۔

اجارہ کے معنی ہیں کوئی چیز کرایہ پر لینا۔ جو شخص کوئی چیز کرایہ پر دے اسے اصطلاح میں موجر (Lessor) کہتے ہیں اور جو کرایہ پر کوئی چیز حاصل کرے اسے مستاجر (Lessee) کہا جاتا ہے۔ کرایہ پر دی جانے والی چیز مستاجر (Leased) کہلاتی ہے اور اس عمل کو اجارہ یا لیزنگ (Leasing) کا نام دیا گیا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اجارہ کا معاملہ بیع کی طرح کا ہے کہ جس طرح بیع میں اہلیت، ایجاب وقبول مجلس عقد، شرا، صحت اور تنفیذ کے معاملات ہیں ویسے ہی اجارہ میں بھی ہے۔ تاہم بعض باتیں بیع اور اجارہ کی مختلف ہیں۔ ان میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اجارہ میں عقد کسی شئ پر نہیں بلکہ اس شئ سے نفع اٹھانے (منفعت) پر ہوتا ہے۔

اسلامی بینک نے جو اجارہ کا مشورہ دیا ہے وہ درست ہے جبکہ اجارہ شرعی طریقہ کے مطابق ہو، اور اس میں کوئی غیر شرعی شروط نہ ہوں۔

صورتِ مسئولہ میں اجارہ کی صورت یہ بنے گی کہ بینک (فریق اول) عمر دین (فریق ثانی) کو ایک مکان خرید کر دے گا جو عمر دین کی ضرورت اور خواہش کے مطابق ہوگا۔ اور اس مکان کا مالک فریق اول (بینک) ہوگا۔ مکان کی قیمت خرید اور خریداری کے اخراجات سمیت اس کی جو بھی لاگت آئے گی بینک ادا کرے گا اور مکان بینک کی ملکیت ہوگا۔

فریق ثانی اس مکان کو بینک سے کرایہ پر حاصل کرے گا اور اسے مالکانہ حقوق حاصل نہ ہوں گے۔ مکان کا جو کرایہ بینک مقرر کرے گا فریق ثانی وہ کرایہ ادا کرتا رہے گا۔

عموماً بینک یہ کرتے ہیں کہ اجارہ کرتے وقت مستاجر سے یہ معاہدہ کرتے ہیں کہ جب مکان کے کرایہ کی مد میں اتنی رقم بینک کو وصول ہو جائے گی جو اس کی قیمت کے مساوی ہے تو یہ

www.waseemziyai.com

مکان کرایہ دار کی ملکیت میں چلا جائے گا۔ اجارہ میں ایسا کوئی پیشگی معاہدہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اگر وعدہ ہو کہ ایسی صورت میں مکان اسی کرایہ دار کو دیا جائے گا جو شروع سے مستاجر ہے تو کوئی حرج نہیں مگر اجارہ میں اس طرح کا کوئی معاہدہ (عقد) کرنا عقد ہبہ یا عقد بیع کا معاملہ ہوگا اور یہ صفقۃ فی صفقۃ کے زمرے میں آئے گا جو کہ ناجائز ہے۔ لہٰذا صرف زبانی وعدہ ہوسکتا ہے۔ اور یہ وعدہ عقد اجارہ کو مستلزم نہیں ہوگا کیونکہ اگر اس شرط پر اجارہ کیا کہ وہ شئی جس کی منفعت کا اجارہ ہوا ہے وہ مستاجر کی ملک ہو جائے گی تو یہ شرط عقد اجارہ ہی کو باطل کر دے گی۔

ہاں البتہ اگر وعدہ کیا مگر عقد اجارہ سے قبل کیا تو عقد اجارہ کی صحت پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ بینک کو اختیار ہے کہ وہ اجارہ کی مد میں وصول ہونے والی رقم مکان کی قیمت کے برابر وصول ہو جانے پر یا مدت اجارہ مکمل ہونے پر اس مکان کو فروخت کر دے اور یہی مستاجر خرید لے یا وہ مستاجر کو مکان ہبہ کر دے یا کسی اور کو فروخت کر دے۔

چنانچہ صورتِ مسئولہ میں اسلامی بینک سے اجارہ شرعیہ کرنا درست ہے اور سودی قرض لے کر مکان تعمیر کرنے سے یہ معاملہ درجہا بہتر ہے کہ وہ حرام خالص اور یہ مشروع و حلال۔ واللہ اعلم بالصواب۔

....

www.waseemziyai.com

مشارکہ، استصناع یا مضاربہ کی ایک صورت

س ٦: زید کا چمڑے کی جیکٹس بنانے کا کارخانہ ہے زید نے بیرون ملک ایک کمپنی سے کاروباری تعلق قائم کیا اس کمپنی نیا سے آرڈر دیا کہ دس ہزار جیکٹس تیار کر کے بھجوائے۔ دس ہزار جیکٹس تیار کرنے کے لئے زید کو جو میٹریل درکار ہے اور اسکے علاوہ جو اخراجات آئیں گے ان کے لئے سرمایہ نہیں اور وہ سود پر قرض لے کر یہ کام کرنا نہیں چاہتا چنانچہ اس نے ایک اسلامی بینک سے قرض حسنہ طلب کیا تا کہ وہ یہ کام کر سکے مگر بینک نے اسے مشورہ دیا کہ قرضِ حسنہ کی بجائے وہ بینک کو اس کاروبار میں شریک کر لے تو بینک اور زید دونوں کو نفع ہو سکتا ہے۔ اور اس میں نہ تو زید مقروض ہو گا اور نہ کوئی اس کے ذمہ سود ہو گا۔ اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے کہ زید قرض سے بھی بچ جائے اور کاروبار میں بینک کو شریک کر کے کاروبار وسیع کر سکے۔

جواب: الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین اما بعد۔ زید کو جس اسلامی بینک نے یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ قرض نہ لے اور کاروبار میں شراکت قبول کر لے وہ بینک اسلامی اصولِ تجارت کو گویا عوام میں مقبول بنانے میں کوشاں ہے۔ اور خود بھی جائز کاروبار میں سرمایہ کاری کر کے سود کی بجائے تجارت کے فروغ میں دلچسپی رکھتا ہے اور یہ ایک مستحسن اقدام ہے۔

صورتِ مسئولہ میں بینک کو زید کے کاروبار میں شراکت کے لئے مشارکہ استصناع یا مضاربہ کی صورت اختیار کرنا ہو گی۔

استصناع کی تعریف یہ ہے کہ: کوئی چیز بنانے کی طلب یا ڈیمانڈ کرنا یا اس کا آرڈر دینا۔ آسان لفظوں میں آرڈر پر مال تیار کروانا استصناع ہے اور اس میں مال تیار کرانے والا

www.waseemziyai.com

میٹریل مہیا کرتا ہے یا میٹریل کے لئے سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ اور جس کارخانہ داریا کمپنی سے مال تیار کرایا جاتا ہے اسے مال تیار کرنے کی اجرت دی جاتی ہے جس میں اس کے ساتھ ایک معاہدہ ہوتا ہے اور اس معاہدہ میں مال کی کوالٹی اور دیگر مواصفات بیان کی جاتی ہیں۔

صورتِ مسئولہ میں بینک زید کو اتنا سرمایہ فراہم کرے گا کہ جس سے مطلوبہ مال بآسانی تیار ہوسکے اور وہ زید کے ساتھ مضاربت کرسکتا ہے کہ سرمایہ بینک کا اور محنت زید کی۔

مضاربت کی صورت میں زید مضارب اور بینک رب المال ہوگا اور مال تیار ہونے پر یہ مال زید مذکورہ پارٹی کو سپلائی کرے گا اور حاصل شدہ منافع میں بینک اور زید طے شدہ تناسب سے شریک ہوں گے۔

یا بینک زید سے استصناع کرسکتا ہے کہ مال تیار کرا کر اور مال پر قبضہ کرنے کے بعد وہ مال زید ہی کو منافع پر فروخت کردے اور پھر زید یہ مال اس پارٹی کو فروخت کرے جس نے مال کا آرڈر دیا تھا۔

یہ طریقہ کار شریعت کے اصولِ تجارت کے مطابق ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ اس سے بینک اور زید دونوں سودی قرض کے لین دین اور سودی کاروبار سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور حلال تجارت کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

....

www.waseemziyai.com

مرابحہ اور سودی قرض میں فرق

س ۷: اسلامی بینکوں میں جاری بیع مرابحہ اور سودی قرض کے معاملہ میں بظاہر کوئی فرق نظر نہیں آتا اس کی وضاحت فرمائیں؟

جواب: بیع مرابحہ اور سودی قرض میں بہت بنیادی فرق ہے اور وہ یہ کہ بیع مرابحہ بیع ہے اور سودی قرض ربوی معاملہ ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **واحل اللّٰہ البیع و حرم الربٰو** ....

بیع مرابحہ میں یہ ہوتا ہے کہ بینک کسی شخص کے ساتھ سامان کی (بیع) خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے اور وہ اس طرح کہ بینک کسی شخص یا کمپنی یا ادارے سے کوئی سامان خریدتا ہے۔ اور اسے اپنی ملکیت میں لینے کے بعد فروخت کے لئے پیش کرتا ہے۔ اگر وہی ادارہ یا شخص یا کمپنی اس سے وہ سامان لینا چاہے تو اس کے ساتھ فروخت کا نیا معاملہ ہوتا ہے اور بینک اپنے نرخوں پر اسے یہ سامان فروخت کر دیتا ہے اور طے شدہ منافع سے زائد بینک بطور منافع کچھ نہیں لے سکتا۔ یہ سامان کی بیع ہے اور بیع کتاب وسنت میں مشروع ہے۔

جبکہ قرض کا معاملہ یہ ہے کہ کوئی شخص یا ادارہ بینک سے ایک مدت مقررہ پر کاروبار کیلئے نقد روپیہ ادھار پر لیتا ہے اور بینک اسے یہ بتا دیتا ہے کہ اس روپیہ پر اتنی مدت کیلئے اتنے فیصد سود اسے ادا کرنا ہوگا۔ یہاں کوئی سامان یا مال موجود نہیں بلکہ براہِ راست پیسے پر پیسہ وصول کرنا ہے اور یہی وہ عین سود اور حرام ہے۔ جسے زمانہ جاہلیت سے ربا النسیئۃ کہا جاتا ہے۔

شریعت مطہرہ کا منشا یہ ہے کہ لوگ سرمایہ نہ وصول کریں اور نقد کو جنس تجارت نہ بنائیں بلکہ اجناس تجارت کا کاروبار کریں اور نقد کو ذریعہ تبادل رہنے دیں۔

www.waseemziyai.com

اسلامی بینکوں اور غیر اسلامی بینکوں کے مابین لین دین

س ۸: اسلامی بینک غیر اسلامی بینکوں کے ساتھ خاص طور پر بیرونی کمرشل بینکوں کے ساتھ کس طرح معاملات کریں گے؟

جواب: غیر اسلامی بینکوں کے ساتھ اسلامی بینکوں کو معاملات کا اب خاصا تجربہ ہو چکا ہے۔ خاص طور پر امپورٹ ایکسپورٹ کے حوالے سے۔ اسلامی بینکوں کو یہ کرنا ہوگا کہ وہ دوسرے بینکوں کے ساتھ لین دین کے باہمی معاملات میں یہ معاہدہ کریں کہ نہ وہ اپنے فراہم کردہ سرمایہ یا گارنٹیز پر کوئی سود لیں گے اور نہ ہی انہیں ادا کریں گے۔ اور یہ تعامل بالمثل کی ایک صورت ہوگی۔ اور اس طرح کا تعامل اسلام میں جائز ہے اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسلم و غیر مسلم کا آپس میں لین دین اگر بلاسود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ صدر اسلام میں ہوتا رہا ہے۔ مسلمان غیر مسلم اقوام سے اسی اصول پر تجارت کرتے رہے ہیں۔ سود چیرٹی میں دے دیں۔

....

www.waseemziyai.com

اسلامی بینکاری اور بڑے منصوبے

س۹: کیا اسلامی بینکاری ملک کے بڑے بڑے منصوبوں میں سرمایہ کاری کرنے کے قابل ہے یا صرف کار لیزنگ کی حد تک ہی محدود ہے؟

جواب: اسلامی بینکاری ملک کے بڑے سے بڑے منصوبوں میں سرمایہ کاری کرنے کے قابل ہے بشرطیکہ جو اسلامی بینک سرمایہ کاری کر رہا ہے اس کے پاس اتنا بڑا سرمایہ موجود ہو۔ ایک سے زائد بینک مل کر بھی سرمایہ کاری کر سکتے ہیں۔ اسے ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں مثلاً: سول ایوی ایشن اتھارٹی کسی بھی بڑے شہر میں ایک نیا ایئرپورٹ تعمیر کرنا چاہتی ہے جس کی لاگت فرض کیجئے کئی بلین روپے ہے تو اسلامی بینک اور سول ایوی ایشن اتھارٹی کے مابین استصناع کا معاہدہ ہو سکتا ہے۔ اس میں اتھارٹی بینک سے ایئرپورٹ تعمیر کر کے دینے کا مطالبہ کرے گی اور بینک اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے اتھارٹی کے ساتھ استصناع کا معاہدہ کرے گا۔ اس معاہدہ میں ایئرپورٹ کی مالیت طے ہو جائے گی کہ مکمل ایئرپورٹ تمام ضروری لوازمات کے ساتھ جو آرکیٹیکٹس کے مہیا کردہ نقشے کے مطابق ہوں گی، کتنے سرمایہ میں بینک تعمیر کروا کر دے گا۔ پھر بینک اپنے طور پر کسی ایسی بڑی فرم کو ایئرپورٹ بنانے کا ٹھیکہ دے گا جس کے کام سے سول ایوی ایشن اتھارٹی مطمئن ہو۔ اور اس فرم کو بینک سرمایہ فراہم کرتا رہے گا۔ ایئرپورٹ کی تعمیر مکمل ہونے پر بینک، ایئرپورٹ کو اتھارٹی کے حوالہ کر دے گا اور اس سے معاہدہ میں طے شدہ شیڈول کے مطابق طے شدہ رقم وصول کر لے گا۔

www.waseemziyai.com

اس سے بھی بڑا پروجیکٹ کسی بڑی شاہراہ (موٹروے) کی تعمیر کا ہو سکتا ہے جس کی مالیت کروڑوں اربوں روپے ہو اس میں بینک نہ صرف استصناع کر سکتا ہے بلکہ مشارکہ بھی کر سکتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ حکومت یا موٹروے اتھارٹی کے ساتھ شراکت کی بنیاد پر شاہراہ تعمیر کی جائے اور اس شاہراہ کی تعمیر پر خرچ آنے والا سرمایہ حکومت اور بینک مل کر لگائیں اور اس سے حاصل ہونے والی آمدن (موٹروے ٹیکس وغیرہ) میں حکومت اور بینک شریک ہو جائیں۔ پھر اس میں مشارکہ متناقصہ کی بنیاد پر بینک اپنا حصہ حکومت کو بتدریج فروخت کرتا رہے اور حکومت بالآخر موٹروے کی مالک بن جائے۔

....

www.waseemziyai.com

انشورنس کی شرعی حیثیت

س ۱۰: کیا اسلام میں انشورنس کرانا حرام ہے؟

آج کل جبکہ حکومتیں لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کرنے سے قاصر ہیں اور متعدد اسلامی ملکوں میں لوٹ مار، چوری ڈکیتی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے، کسی کی عزت و آبرو محفوظ ہے نہ مال و جان، ایسے میں انشورنس کرانا ناجائز ہی رہے گا؟ انشورنس کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے آخر کیوں؟ اور اس کی کوئی جائز صورت بھی ہے یا نہیں؟

جواب: الحمد للہ رب العالمین وبہ نستعین۔

آپ کے سوال کا جواب قدرے تفصیل سے پیش خدمت ہے۔ سوال کو درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ کیا رائج الوقت نظام انشورنس ناجائز ہے؟

۲۔ معروضی حالات میں انشورنس کے جواز کی صورت؟

۳۔ رائج الوقت انشورنس کے حرام ہونے کی وجوہات کیا ہیں؟

۴۔ انشورنس کی کوئی جائز صورت؟

ان تمام سوالوں کا جواب دینے سے قبل انشورنس کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا اس کے مقاصد و مفاسد جاننا ضروری ہے۔ واضح رہے کہ اسلام انسانوں کی جان و مال کی حفاظت کا حکم دیتا ہے اور اس سلسلہ میں فرد و جماعت کی ذمہ داریوں کا تعین کرتا ہے۔ وہ کسی بھی مرحلہ زندگی میں انسان کو بے آسرا نہیں چھوڑتا اور نہ اندھیرے میں رکھتا ہے۔ انشورنس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ انسانوں کی فلاح کا ایک پروگرام اور اسکیم ہے۔ اس کے

www.waseemziyai.com

واضعین نے اس کے جو مقاصد بیان کئے ہیں ان میں اہم مقصد مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے لئے قبل از ورود مصیبت اس کا انتظام کرنا ہے۔ چنانچہ بیمہ کمپنیوں کے ایجنٹ اور کارندے جو مختلف لوگوں کو بیمہ کے بارے میں آگاہی فراہم کرتے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ لوگوں کی تکالیف کے ازالہ، حادثات کی صورت میں پیش آمدہ مالی مشکلات کا حل اور باہمی تعاون سے ایک دوسرے کی مدد بیمہ کا اصل مقصد ہے۔

انشورنس کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے الفاظ یہ ہیں:

Insurance is a device to handle risk its primary function is to substitute certiainty for uncertainty as regards the economic cost of disasterous events. Insurance may be defined more properly as a system under which the insurer for a consideration, promises to reimburse the insured or to render services to the insured in the event that certain accidental occurrences result in losses during a given time period. (The New Encyclopeadia Britanice 15th edition, vol. 9, p. 45)

انشورنس کی اس تعریف میں اس کا بنیادی مقصد نہایت واضح ہے۔ مگر یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے جن مفاسد سے گزرنا ہوتا ہے وہ بیمہ کی اصل روح (تعاون) کے خلاف اور برعکس ہیں بلکہ ان میں کئی ایک عناصر اسلام کے نظام عدل سے متصادم ہیں۔ جیسے سودی معاملات، قمار (جوا) اور غرر (دھوکہ) خاص طور پر نمایاں ہیں۔

فقہاء کرام کو اللہ تبارک وتعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائے اور ان کے مراتب کو بلند فرمائے کہ انہوں نے ہماری رہنمائی کے لئے پہلے ہی ایسے رہنما اصول مرتب فرما دیئے کہ رہتی دنیا تک جن سے ہدایت کی روشنی ایک جہاں کو منور کرتی رہے گی۔ فقہاء کرام نے اجتہاد (تحقیق وجستجو، ریسرچ) کا در وا کیا اور آئندہ پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کی راہیں متعین کیں۔ اسلام کا ماضی گواہ ہے کہ جب بھی کبھی علماء اسلام کے سامنے نئے مسائل آئے وہ فوراً ان میں تحقیق وجستجو کرنے لگے اور انہوں نے اپنے متبعین کو ریسرچ کا عادی بنانے کی بھرپور کوشش

www.waseemziyai.com

کی۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس تحقیق کا شہرہ پورے عالم اسلام میں تھا جہاں ہزارہا مسائل پر تحقیق کا کام ہو۔آج بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ جدید مسائل پر اسی انداز سے تحقیق کرنے کا کام ہو جس انداز سے ہمارے اسلاف نے کیا۔

انشورنس جدید مسائل میں سے ایک ہے۔آپ نے جو یہ کہا کہ کیا انشورنس کرانا ناجائز ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ چونکہ انشورنس کمپنیاں متعین پریمیم والا تجارتی انشورنس، کرتی ہیں اور یہ ایک ایسا عقد ہے جو صراحتاً دھوکے پر مبنی ہے اور دھوکہ دہی اسلام میں حرام ہے۔لہٰذا شرعاً انشورنس کمپنیوں کا یہ عقد،عقد فاسد ہے۔علامہ عبدالحکیم شرف صاحب نے بیمہ کی شرعی حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے: بیمہ کا معاہدہ بیع ہے، مستامن جو رقم قسط وار ادا کرتا ہے وہ معاوضہ ہے اس تحفظ کا جو مؤمن کی جانب سے ادا کیا جاتا ہے اور یہ تحفظ بیمہ کی رقم کی ادائیگی کی صورت میں ہوتا ہے۔یہ مستامن بروقت صرف ایک قسط ادا کرتا ہے باقی اس کے ذمہ دین ہے اور بیمہ کی رقم مؤمن کے ذمہ دین ہے اس طرح یہ معاہدہ بیع الدین بالدین پر مشتمل ہے۔

اس معاہدے میں کئی وجہ سے غرر پایا جاتا ہے۔

۱۔ بیمۂ زندگی کے علاوہ تمام اقسام بیمہ میں معاہدہ کے وقت بیمہ کی رقم موجود اور متعین نہیں ہوتی جب تک خطرہ واقع نہ ہو جائے اس کی تعین نہیں ہوتی یہ غرر فی الوجود التعین ہے۔

۲۔ بیمۂ زندگی کے علاوہ باقی قسموں میں مدت بیمہ گزر جانے کے باوجود حادثہ پیش نہیں آتا تو بیمہ کی رقم سوخت ہو جاتی ہے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا یہ غرر فی الحصول ہوا۔

۳۔ زندگی کے بیمہ کے علاوہ اقسام میں اگرچہ رقم کی زیادہ سے زیادہ مقدار معین کر دی جاتی ہے لیکن نقصان ہونے پر نقصان کے تناسب سے معین کی جاتی ہے یہ غرر فی المقدار ہے جبکہ بیمہ کی قسط فوری طور پر ادا کر دی جاتی ہے۔

۴۔ بیمہ کی تمام قسطوں میں بیمہ کی قسط ادا کرنے کا وقت مقرر ہوتا ہے جبکہ بیمہ کی رقم ادا کرنے کا وقت متعین نہیں ہوتا، کیونکہ موت اور حادثہ کا وقت متعین طور پر ہمیں معلوم نہیں ہے، یہ غرر فی الاجل ہے۔

پھر یہ عقد، قمار بھی ہے جیسے کہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ (ج ۷، ص ۱۱۳)

www.waseemziyai.com

میں فرمایا ہے۔

اس میں ربا کا پہلو بھی موجود ہے کیونکہ مستامن نے جتنی رقم جمع کروائی ہے اس پر بیمہ کمپنی کے قواعد کے مطابق معین نفع بھی دیا جاتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز سے سوال کیا گیا کہ کیا ہندوستانکے اہل حرب سے ربا لینا جائز ہے؟ خواہ وہ ہنود ہوں یا نصاریٰ۔

اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا:

۱۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہندوستان دارالاسلام ہے۔

۲۔ ربا کے بارے میں حق یہ ہے کہ مطلقاً ناجائز ہے، کیونکہ نصوص تحریم مطلق ہیں۔

۳۔ باقی رہا دارالحرب میں زائد مال کا لینا وہ ربا ہے ہی نہیں، کیونکہ ربا مال معصوم میں ہوتا ہے اور دارالحرب والوں کا مال معصوم نہیں ہے۔

۴۔ یہ حکم ہر حربی غیر مستامن کو شامل ہے، اگرچہ دارالسلام میں ہو، کیونکہ دار و مدار معصوم نہ ہونے پر ہے اور عدم عصمت سب کو شامل ہے۔ ہم پر ان کے ساتھ صرف غدر (دھوکہ) ناجائز ہے، اس کے بغیر ان کا مال جس عنوان سے بھی لے لیا جائے جائز ہے، کیونکہ یہ مال مباح لیا گیا ہے (شرط یہ ہے کہ یہ نیت نہ ہو کہ میں سود لے رہا ہوں، ورنہ ناجائز ہوگا)۔

۵۔ اس کے باوجود بطور تنبیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حربی غیر مستامن سے زائد مال اعلانیہ لے گا اگرچہ وہ صحیح نیت کے ساتھ لے گا، لیکن عوام اس پر رباخوری کا الزام لگائیں گے، چونکہ تہمت کے مقامات سے بچنا چاہیے اس لئے دینی حیثیت رکھنے والے حضرات کو اس سے بچنا چاہیے۔ (ترجمہ عربی عبارت ملخصاً) (فتاویٰ رضویہ، ج ۷، ص ۱۱۵)

اس کے باوجود دوسری جگہ بیمہ سے متعلق سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت داخل نہیں، ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی ہے وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح اپنا منتفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں، لہٰذا اجازت نہیں، کما حقق المحقق علی

www.waseemziyai.com

الطلاق فی فتح القدیر۔(فتاویٰ رضویہ، ج ۷،ص ۱۱۳)

عقد بیمہ کو ضمان خطر طریق یا ضمان ورک پر قیاس کرنے کا سوال تو اس وقت ہوگا جب بیمہ میں غرر فاحش، قمار اور ربا وغیرہ مفاسد نہ پائے جائیں، ان کے ہوتے ہوئے قیاس اور الحاق کا کیا فائدہ ہوگا؟

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے سوکرہ کی جو صورت بیان کی ہے اس میں تو انہوں نے ہلاک ہونے والے مال کا معاوضہ لینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔فرماتے ہیں:

والذی یظھر لی انه لا یحل للتاجر اخذ بدل الھالك من ماله لان منا التزام مالا یزلم۔(ردالمختار، ج ،ص ۲۷۳)

ٹیکسوں سے بچنا ایسا امر نہیں ہے انسان حالت اضطرار کو پہنچ جائے اور اس کے لئے ناجائز امور کا ارتکاب جائز ہو جائے۔

قانونی اعتبار سے بیمہ کرانا لازمی ہو تو ضرر سے بچنے کے لئے بیمہ کرا لیا جائے اور ساتھ ہی لکھ دیا جائے کہ میں یا میرا وارث اتنی ہی رقم لے گا جتنی کہ جمع کروائی ہوگی۔

(الف) جب یہ عقد ناجائز ہے تو اضافی رقم لینے والا گنہگار ہوگا، اسے چاہئے کہ زائد رقم غرباء میں تقسیم کردے۔

فسادات میں ناحق ضائع ہونے والے جان و مال کا معاوضہ قرار دے کر اضافی رقم کا وصول کرنا اور اپنے مصارف میں خرچ کرنا ایک ناجائز کام کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے، نیز نقصان کسی کا ہو اور معاوضہ کوئی دوسرا وصول کرے یہ بھی خلاف معقول ہے۔

(ب) اس سوال کا جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں آچکا ہے۔

البتہ ایسی انشورنس جو تعاونی ہو اور جس میں دھوکہ فریب سود اور قمار نہ ہو اور شرعاً اور بھی کوئی چیز یا کوئی عقد اس کا فاسد نہ ہو تو ایسی انشورنس جائز ہوگی مثلاً یہ کہ انشورنس کا مقصد اگر عاقلہ کے نظام پر ایک انجمن امداد باہمی قائم کرکے نقصانات کی تلافی کی راہ نکالنا ہے تو ایسی انجمن کا ممبر بن کر تعاونی بیمہ یا انشورنس کرانے میں کوئی بات حرمت کی نہیں۔البتہ انشورنس کمپنیاں جس طرز پر انشورنس کے نظام کو لے کر چل رہی ہیں چونکہ اس میں واضح طور

www.waseemziyai.com

پر سود، قمار اور غرر جیسی قباحتیں موجود ہیں اس لئے آنکھ بند کر کے کسی بھی انشورنس کمپنی سے انشورنس کرالینا درست نہیں۔

معروضی حالات میں جب کسی کی جان و مال اور آبرو محفوظ نہیں نہ املاک کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام ہے، ایسے میں بعض علماء نے انشورنس کے موجودہ نظام ہی سے مستفید ہونے کی اجازت دی ہے مگر شرط یہ لگائی ہے کہ متبادل میسر آنے تک مجبوراً اس نظام میں انشورنس کرانا لازمی ہو تو کرالی جائے۔

علماء کرام کا فرض ہے کہ قوم کو سودی نظام معیشت اور سودی و قماری نظام انشورنس کی صرف حرمت ہی نہ بتائیں بلکہ اس سے نکلنے کا مکمل نظام بھی وضع کریں اور اسلامی بینکاری کی صحیح شرعی اسکیم بنا کر دیں۔ نیز اسلامی انشورنس کا مکمل سیٹ اپ تیار کر کے دیں اور پھر اپنے اثر و رسوخ سے اسلامی انشورنس کمپنیاں پرائیویٹ طور پر قائم کروائیں۔ تا کہ قوم کو سودی نظام سے نجات مل سکے۔

سردست انشورنس کا متبادل تکافل ہے جسے اسلامی انشورنس کہا جا سکتا ہے۔

چنانچہ تکافل کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک کمپنی تکافل کے نام پر قائم کی جائے جیسا کہ ملائشیا، عرب امارات، سوڈان اور کویت وغیرہ میں ہیں۔ اس کمپنی کا کام یہ ہو کہ یہ انشورنس کا متبادل فراہم کرے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ انجمن امداد باہمی کی طرز پر ایک انجمن ہو جو لوگوں سے تبرعات وصول کرے۔ ہر شخص جو اس انجمن کا ممبر بننا چاہتا ہو ایک مخصوص رقم جو انجمن مقرر کرے گی بطور تبرع ہر ماہ جمع کرائے گا۔ اور اس تبرع میں اس کی نیت یہ ہوگی کہ جو لوگ اس انجمن کے ممبر ہیں ان میں سے اگر کسی کو ضرر لاحق ہو تو عاقلہ کے قدیم نظام کے مطابق اس رقم سے اس کی مدد کی جائے۔ انجمن یہ طے کر سکتی ہے کہ مثلاً کسی ممبر کے انتقال کی صورت میں اس کے لواحقین کو دس لاکھ روپے، کسی ممبر کی گاڑی چوری ہونے یا مکمل تباہ ہونے کی صورت میں گاڑی کی مالیت کے لحاظ سے مثلاً پانچ دس پندرہ لاکھ روپے۔ (جو بھی طے شدہ ہو) گھر میں آگ لگنے یا دکان وغیرہ کے کسی آسمانی یا زمینی آفت کی صورت میں نقصانکے اندازے کے لحاظ سے ایک مخصوص رقم۔ علی ہذا القیاس۔

www.waseemziyai.com

ممبرز کی جمع شدہ رقم چونکہ تبرعات کی رقم ہے ممبرز کا اس پر اب کوئی حق ملکیت کا نہیں تاہم وہ اس کے امین ہوں گے۔ بایں صورت کہ یہ سب کی جمع کردہ رقم ہے اور سب اس کے امین ہیں۔ ان ممبرز میں سے تکافل کمپنی ایک انتظامیہ کمیٹی بنا سکتی ہے جو اس سارے سرمایہ کا حساب رکھے اور اس سرمایہ کو کاروبار میں لگائے۔ کمیٹی ملازمین رکھ سکتی ہے اور یوں حاصل شدہ سرمایہ مضاربت یا مشارکت پر کسی جائز کاروبار میں لگایا جا سکتا ہے۔ اس کاروبار سے حاصل شدہ نفع بھی اسی انجمن کے کھاتے میں جمع ہوتا رہے گا اور ممبرز کے اضرار کی تلافی کے ساتھ ساتھ کم ہونے کی بجائے بڑھتا رہے گا۔ اس سرمایہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ آئندہ پیش آمدہ اضرار کی تلافی کے لئے۔ دوسرا ضروری اخراجات کے لئے، تیسرا ممبرز کو بونس یا ہدیہ کے طور پر دینے کے لئے۔ اس طرح تکافل کمپنی انجمن امداد باہمی کی طرز پر منافع بخش کاروبار بھی کر سکے گی اور انشورنس کا متبادل بھی لوگوں کو میسر آ جائے گا۔ اور یہ شریعت مطہرہ کے منشاء کیمطابق ہے کہ اس میں تعاون علی البر والتقویٰ کی روح موجود ہے۔ اور حکم ربانی ہے۔

وتعاونوا علی البر والتقویٰ ط ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ط (المائدہ: ۲/۵)

ڈاکٹر عبدالمنعم البدراوی نے اپنی کتاب: "**والتامین فی القانون المصری والمقارن**" میں لکھا ہے:

والتامین التعاونی باشکاله ومنه التامین علی الحیاة جائز شرعیا۔ بل هو امر مرغوب فیه لانه یدخل فی عقود التبرعات ومن قبیل التعاون المطلوب شرعا علی البر والخیر کما هو موضح فی قوله تعالیٰ و باتفاق الفقهاء۔ وهو من مظاهر التکافل والتضامن فی الاحداث والمحن۔

(التامین فی القانون المصری والمقارن، ص ۳۶، ۴۰)

اس کی جزئیات میں غور کریں تو نہ شرعاً تبرع کی ممانعت ہے۔ نہ تبرعات کی رقم

www.waseemziyai.com

سے جس مقصد کیلئے تبرعات جمع ہوئے (یعنی ممبرز کی عندالضرورۃ مدد و اعانت) اس میں تبرعات کے خرچ کرنے کی ممانعت ہے۔ اور نہ اس سرمایہ کو مضاربت و مشارکہ کے جائز شرعی کاروبار میں لگانے کی ممانعت۔ پھر اس سرمایہ سے ممبرز کو ہدیہ دینے کی کوئی شرعی ممانعت ہے اور نہ اس سارے نظام کو چلانے والے ملازمین کو تنخواہیں ادا کرنے کی ممانعت۔ تکافل کمپنی یہ کرسکتی ہے کہ ہر ممبر سے ممبر سازی کے وقت سروس چارجز وصول کرے تاکہ وہ یہ سارا نظام قائم کرسکے۔

اس طرح کی تعاونی و تکافلی انشورنس میں نہ تو کوئی مفاسد ہیں نہ غرر اور قمار یا ربا کی کوئی صورت ہے۔

....

www.waseemziyai.com

رطب و یابس (مجموعہ مقالات و مضامین)

اس کتاب میں ڈاکٹر شاہباز صاحب کے حسب ذیل مقالات و مضامین شائع ہوئے ہیں۔

قرآن وسنت سے متعلق مضامین

۱۔ اعجاز القرآن ۲۔ قرآن غیر مسلموں سے نفرت کا درس نہیں دیتا
۳۔ نبی اکرم ﷺ بحیثیت حَکم و قاضی ۴۔ نقش نعلین رسول ﷺ کی برکات

فقہی مضامین

۵۔ اسلامی نظام حدود و تعزیرات کی حکمت ۶۔ رحم کرائے پر لینے کی شرعی حیثیت
۷۔ شکاگو تحریک اور شہادت کے تقاضے ۸۔ رمضان المبارک تاریخی تناظر میں
۹۔ نمازِ تراویح چند توجہ طلب پہلو ۱۰۔ تعداد رکعت تراویح
۱۱۔ ماہِ رجب کی مذہبی و تاریخی اہمیت ۱۲۔ علامہ ابن سلام ہروی رحمہ اللہ
۱۳۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی افکار و نظریات۔

شخصیات و بلاد پر مضامین

۱۴۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اور مولانا فضل حق خیر آبادی ۱۵۔ علامہ محمد ابو زہرہ مصری
۱۶۔ الشیخ علی طنطاوی ۱۷۔ علامہ الشیخ عبدالفتاح ابو غدہ
۱۸۔ ڈاکٹر عبدالجواد خلف اور جامعہ الدراسات الاسلامیہ ۱۹۔ جہد مسلسل کی کہانی
۲۰۔ برونائی میں اسلام ۲۱۔ دور وینز ویلا میں اسلام
۲۲۔ عمان سلطان قابوس کی قیادت میں۔

مختلف النوع

۲۳۔ انسانیت کی پستی ۲۴۔ مقصد تخلیق پاکستان
۲۵۔ عربی مدارس کے لاکھوں طلبہ سوال کرتے ہیں ۲۶۔ دینی مدارس میں درجہ بندی کا نقصان
۲۷۔ نظامِ تعلیم ایک جائزہ ۲۸۔ جنگ خلیج کے خفیہ گوشے
۲۹۔ سعودی عربیہ کا سیاسی بحران ٹل گیا ۳۰۔ تہذیب آگہی
۳۱۔ زوال امت مسلمہ یا آزمائشِ ما

(یہ مقالات ہر شہر کے معروف کتب خانہ اور مجلّہ فقہ اسلامی کے دفتر سے دستیاب ہیں)

www.waseemziyai.com

March 2019

اہلسنت وجماعت کا قرآن وسنت کا عظیم ادارہ

مرکز العلوم الاسلامیہ اکیڈمی

جہاں اسلامی اور عصری علوم کا عظیم امتزاج

مختصر تعارف

طلبہ:

شعبہ حفظ: 145   شعبہ ناظرہ: 240

شعبہ درس نظامی: 105   شعبہ تجوید: 10

اور انہیں شعبہ جات میں 400 سے زائد طلبا اسکول کی تعلیم انٹر تک حاصل کر رہے ہیں نیز کم وبیش 100 طلباء مدرسے میں رہائش پذیر ہیں جن کے طعام وقیام اور میڈیکل کا مکمل خرچ مدرسہ برداشت کرتا ہے۔

مدرسہ کا اسٹاف

شعبہ حفظ وناظرہ 14 اساتذہ   شعبہ درس نظامی وتجوید 10 اساتذہ

شعبہ عصری علوم یعنی اسکول 11 اساتذہ   باورچی 2 خادم 4 چوکیدار 2

کل طلبہ کم وبیش پانچ سو اور پورہ اسٹاف 43 افراد پر مشتمل ہے۔

مرکز العلوم الاسلامیہ اکیڈمی میٹھادر کراچی پاکستان

DONATION

HABIB BANK LTD. BARNESS STREET BRANCH
ACC TITLE: MARKAZ UL ALOOM ISLAMIA (TRUST)
ACC NO: 00500025657003 - BRANCH CODE :0050

www.facebook.com/markazuloloom

https://www.waseemziyai.com   https://www.youtube.com/waseemziyai

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب کی دیگر کتب و رسائل

تاریخ نفاذ حدود	کاغذی کرنسی کی شرعی حیثیت
کریڈٹ کارڈ (تاریخ، تعارف، شرعی حیثیت)	کلوننگ (خدشات، شرعی نقطہ نظر)
امام و خطیب کی شرعی و معاشرتی حیثیت	مختصر نصاب سیرت
مختصر نصاب فقہ	مختصر نصاب قرآن
مختصر نصاب حدیث	انڈیکس شرح صحیح مسلم
روزہ رکھئے مگر!	قربانی کیسے کریں
آسان و مختصر دعائیں	لوگ کیا کہیں گے؟
کڑوی روٹی	منتخب مباحث علوم القرآن
پندرھویں صدی کا مجدد کون؟	شیئرز کے کاروبار کی شرعی حیثیت
رطب و یابس (مجموعہ مضامین)	بینکوں کے ذریعہ زکوۃ کی کٹوتی کی شرعی حیثیت
مفتی کون؟ فتویٰ کس سے لیں؟	اسلامی بینکاری اور سودی بینکاری میں فرق
لیزنگ (اجارہ)	چند منتخب معاملات کی شرعی حیثیت
مسئلہ ختم نبوت اور تعارف قادیانیت	جدید فقہی مسائل اور ان کا مجوزہ حل